اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | جمادی الاول ۱۴۴۲ھ | جنوری ۲۰۲۱ء | شمارہ ۱

الاتمام لنعمة الاسلام

خصوصیات اسلام۔ حصہ سوم (قسط اوّل)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۴۰ روپے — زرسالانہ =/۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الاتمام لنعمۃ الاسلام

(خصوصیات اسلام) حصہ سوم (قسط اول)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے وعظ میں مذکور آیت پر اس سے قبل دو وعظ ارشاد فرمائے تھے یہ تیسرا وعظ ہے ان مواعظ میں اسلام کی خوبیوں اور خصوصیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے کہ اسلام ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کے حاصل ہونے کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا چاہیے، حکیم الامت نے یہ وعظ لوگوں کی درخواست پر پانی پت درگاہ حضرت شاہ جلال الدین کبیر الاولیا مخدوم صاحبؒ میں ۲۸/ شوال ۱۳۴۱ھ بروز جمعرات پونے چار گھنٹے بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔ سامعین کی تعداد ۵۰۰ تھی۔ مولوی اطہر علیؒ نے ضبط کیا اور ان کے مبیضہ سے مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ نے صاف کیا۔ اختتام وعظ پر حضرت نے فرمایا مسلمانوں کی یہ حالت ہونی چاہیے۔

ترکت اللات والعزی جمیعا کذلك یفعل الرجل البصیر

خدا تعالیٰ کے احکام مضبوط پکڑو۔ اس میں دین کا بھی بھلا ہے۔ اور دنیا کا بھی نفع ہے۔ یہ وعظ کافی طویل ہے اس لیے دو شمارے میں طبع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو وعظ میں مذکور مضامین کو سمجھنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۳ محرم الحرام ۱۴۴۲ھ

الاتمام لنعمۃ الاسلام

(خصوصیات اسلام) حصہ سوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	تمہید..	۷
۲..........	عمومی غلطی..	۷
۳..........	مقصود احکام شریعت..	۸
۴..........	حقیقت عبدیت..	۹
۵..........	حج کے بارے میں فلسفیانہ خیالات..	۱۰
۶..........	دوران حج تجارت کی اجازت ہے..	۱۲
۷..........	حج کے ارکان مقصودہ..	۱۳
۸..........	فرق باطلہ پیدا ہونے کی وجہ..	۱۴
۹..........	حقیقت علم..	۱۵
۱۰..........	ہمارے اور مجتہدین کے علم میں فرق..	۱۶
۱۱..........	آج کل کے فضلاء..	۱۷
۱۲..........	آثار منصوریت..	۱۸
۱۳..........	بزرگوں کا رعب..	۱۹
۱۴..........	غلبہ اہل حق..	۲۰
۱۵..........	بددین عقلاء..	۲۱
۱۶..........	آج کل کے عقلاء کی تحریف..	۲۲
۱۷..........	لغو تاویلات..	۲۳
۱۸..........	بیرسٹر صاحب کا غلط اجتہاد..	۲۴
۱۹..........	بے ہودہ استدلال..	۲۵

۲۰..........	مطلوب اہل باطل..........	۲۶
۲۱..........	بے عقل کی دوستی کا انجام..........	۲۷
۲۲..........	دین اور مصالح عقلیہ..........	۲۸
۲۳..........	فلاسفہ کی بدفہمی..........	۲۹
۲۴..........	غلط استنباط..........	۳۰
۲۵..........	بزرگوں کی ضرورت..........	۳۲
۲۶..........	تعلیمات انبیاء علیہم السلام..........	۳۲
۲۷..........	خودساختہ مصلحتوں کا نقصان..........	۳۳
۲۸..........	علاج فلاسفہ..........	۳۴
۲۹..........	دلائل عقلیہ کی بے بسی..........	۳۵
۳۰..........	شیخ کا فائدہ..........	۳۷
۳۱..........	امام رازی کا فرمان..........	۳۷
۳۲..........	طالب علم اور سالک..........	۳۸
۳۳..........	مہمل طالب علم..........	۴۰
۳۴..........	عوام کے لیے جواب..........	۴۱
۳۵..........	حکیم الامت کا مسکت جواب..........	۴۱
۳۶..........	جواب لاجواب..........	۴۲
۳۷..........	اسرار وحکم بیان نہ کرنے کی حکمت..........	۴۳
۳۸..........	مذہب عشق..........	۴۴
۳۹..........	حقیقت قبول..........	۴۵
۴۰..........	جاہل صوفیاء..........	۴۷
۴۱..........	جاہل صوفیوں کے نکات..........	۴۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم **امابعد!**

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾(۱)

تمہید

یہ ایک آیت کا حصہ ہے اس کی تلاوت کل بھی کی گئی تھی اور یہ بھی ظاہر کیا گیا تھا کہ اس کے قبل اور بھی چند موقعوں پر اس آیت کی تلاوت کی گئی ہے اور تکرار تلاوت کی وجہ بھی بیان کردی گئی تھی کہ بیان کرنے سے جو مقصود اس کے متعلق تھا وہ اتنی جگہ بیان کرنے سے بھی مکمل نہیں ہوا اور مقصود بھی کل بیان کردیا تھا یعنی اسلام کی خوبی ایسی ہے کہ دنیا کے لیے بھی نافع ہوتا ہے اور آخرت کے لیے بھی یعنی اس کے قواعد وضوابط تمام عالم کے لیے دونوں جہاں میں راحت رساں (۲) ہیں بشرطیکہ ان پر عمل کیا جائے۔

عمومی غلطی

اور یہاں سے ایک مسئلہ طے ہوجاتا ہے، جس کا سمجھنا ضروری ہے اور اس کے نہ سمجھنے سے لوگ بہت بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ غلطی یہ ہے کہ بہت لوگوں کا

(۱) ’’آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کردیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تام کردیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لیے پسند کرلیا‘‘ سورۃ المائدہ: ۳ (۲) راحت پہنچانے والے۔

یہ خیال ہو گیا ہے یعنی ان کے معاملہ اور طرز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کا عقیدہ یہی ہے کہ اصل مقصود شریعت اور احکام سے اغراض دنیویہ ہیں اور شریعت کے احکام کو ان اغراض کا آلہ[۱] بنا رکھا ہے۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ یہ لوگ جب احکام کو بیان کرتے ہیں ان کی حکمت کو بھی ساتھ ساتھ بیان کرتے ہیں اور وہ حکمتیں سب کی سب دنیوی ہوتی ہیں اور اس حکمت کا نام فلاسفی رکھا ہے یہ لفظ موقع بے موقع ہمیشہ مقررین کی زبان پر آتا ہے۔ کہتے ہیں روزہ کی فلاسفی یہ ہے، حج کی فلاسفی یہ ہے، زکوٰۃ کی یہ ہے علیٰ ہذا اور احکام کی بھی فلاسفی بتلاتے ہیں اور بزعم خود اپنے کو احکام جاننے والا اور اسرار وحکم کا واقف سمجھتے ہیں بلکہ اسی کو علوم مقصودہ سمجھتے ہیں اور ایسی تقریریں کر کے اپنے کو دین کا بڑا خدمت گزار بلکہ علماء راسخین کے درجہ میں سمجھتے ہیں اور علماء محققین کو اپنے سامنے صورت پرست خیال کرتے ہیں بلکہ ان کو پست خیال اور خود کو روشن خیال جانتے ہیں۔ گو ایک صیغہ کی تخلیق یا تعلیل[۲] بھی نہ جانتے ہوں۔ ایک چھوٹے یا بڑے جملہ کی ترکیب[۳] بھی نہ کر سکتے ہوں۔ لیکن ان کو اس کی ضرورت ہی کیا ان کے نزدیک تو یہ سب فضول ہیں۔ بس وہی علوم واسرار ان کے نزدیک مطلوب ہیں اور اسرار بھی وہ جو ان کے ذہن میں آ گئے۔ گو فی الواقع باطل محض ہی ہوں[۴]۔

مقصود احکام شریعت

حقیقت یہ ہے کہ حکمت اور اسرار کے درپے ہونا یہ خود مضر ہے[۵] کیونکہ مقصود شریعت کے احکام جاننے سے کیا ہے اس کو خیال کرنا چاہیے۔ سو حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ[۶] یعنی مقصود عبدیت ہے اور عبدیت یہ ہے کہ جہاں حکم ہوا ہیں گردن جھکا دی۔ کاہے کی حکمت اور مصلحت؟ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فعل یا حکم حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا مگر ہم کو حکمت کے درپے تو نہیں ہونا چاہیے۔

---

(۱) ذریعہ (۲) یہ بھی نہ معلوم ہو کہ یہ صیغہ کیسے بنا ہے (۳) یہ بھی نہ معلوم ہو کہ اس جملہ میں فعل کون ہے فاعل کون وغیرہ (۴) اگرچہ ان سرار کی کوئی حقیقت نہ ہو (۵) نقصان دہ (۶) ''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ صرف میری عبادت کریں'' سورۃ الذاریات:۵۶۔

اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ جس حکم کی علت بلکہ یوں کہیے کہ مصلحت وحکمت نہ معلوم ہو اس میں عبدیت زیادہ ظاہر ہوتی ہے اور میں نے لفظ علت کو بدل کر اس کی جگہ لفظ حکمت ومصلحت کو اس لیے اختیار کیا کہ علت کا اتباع اور تتبع (۱) ممنوع نہیں مگر تتبع علل (۲) مجتہد کا منصب ہے کہ جو حکم منصوص (۳) ہو اور اس کے اندر کوئی علت (۴) ہو اور وہ علت غیر منصوص میں بھی موجود ہو تو منصوص کا حکم غیر منصوص میں بھی ثابت (۵) کر دیا جاتا ہے یعنی بعض احکام قیاسی ہیں (۶) جو قیاس سے ثابت ہیں اور بعض منصوص غیر قیاسی ہیں جو صراحۃً ثابت ہیں سو قیاس مجتہد کا حاصل غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کرنا ہے یعنی جس کے ساتھ یہ غیر منصوص مشابہ ہو، اس مشبہ بہ کا حکم اس مشابہ پر کر دیتے ہیں جس سے ظن غالب یہ ہو جاتا ہے کہ اس کا بھی حکم وہی ہے جو منصوص کا اور اصل کا ہے تو جہاں فرع کو اصل پر کسی علت جامعہ کی وجہ سے قیاس کرتے ہیں۔ وہاں کہتے ہیں کہ اس حکم کی یہ علت ہے تو علت قیاس میں ہوتی ہے جو مجتہد کا منصب ہے حکمت کو علت کہنا صحیح نہیں۔ اس لیے میں نے لفظ علت کو لفظ حکمت سے بدل دیا۔ گو اس کو بھی محاورہ میں بعضے علت کہتے ہیں لیکن اصل میں یہ علت نہیں ہے تو خلاصہ یہ ہے کہ احکام کی حکمت اور مصلحت تلاش کرنے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ مثلاً ایک مصلحت پر ہماری نظر ہے، دوسری پر نہیں، تو احتمال ہے کہ جب ایک مصلحت اٹھ جاوے، گو دوسری باقی رہے تو یہ شخص جو حکمت کی وجہ سے احکام کا متبع تھا (۷) اس حکم کی تعمیل ہی چھوڑ دیگا۔

حقیقت عبدیت

صاحبو! ہمیں تو حکم ہوا ہے کام کرنے کا تو بلا مطالبہ حکمت ومصلحت اس کو کرنا چاہیے۔ غرض تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدیت اس میں زیادہ ظاہر ہوتی ہے کہ احکام کی حکمت معلوم نہ ہو اور پھر بھی اس کا امتثال کرے (۸)۔ محض حاکم کا حکم سمجھ کر اس کی پابندی

(۱) تحقیق (۲) علتوں کی تحقیق مجتہد کا کام ہے (۳) جو حکم قرآن وحدیث میں ہو (۴) خاص اس حکم کی وجہ ہو (۵) وہی وجہ کسی ایسی جگہ بھی پائی جائے جس کا حکم قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اس علت کی وجہ سے وہ حکم جائز ناجائز وہاں بھی لگائیں گے (۶) بعض احکام قرآن وحدیث میں صراحتاً مذکور نہیں وہ قیاس سے معلوم کئے جاتے ہیں اور قیاس کرنا مجتہد کا کام ہے (۷) پیروی کرتا تھا (۸) حکم پر عمل پیرا ہو۔

کرے اس میں عبدیت زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ مثلا حاکم نے کہا دوڑ وہ دوڑنے لگا بلا وجہ پوچھے ایسے احکام کو تعبدی کہتے ہیں اس میں قیاس کی بھی گنجائش نہیں ہوتی اس نام ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عبدیت زیادہ ہے بخلاف ان احکام کے جن کی حکمت معلوم ہو گو ان کا بجالانا بھی موجب اجر ہے(۱) بلکہ ایک معنی کر کے زیادہ قابل اہتمام ہے کیونکہ بعض طبائع کو اس سے زیادہ شگفتگی وطمانیت ہوتی ہے مگر بعض موقع پر حکمت کا جاننا مضر بھی ہوتا ہے میں اس کو آگے بیان کروں گا (جس جگہ یہ شعر مذکور ہے دوستی بے خرد چوں دشمنی ست) بہر حال ان احکام کے امتثال میں بھی اجر ہوتے ہیں شبہ نہیں مگر ان میں ظہور عبدیت زیادہ نہیں۔

اس میں یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید مصلحت کی وجہ سے امتثال کیا(۲) ہو اگر مصلحت سمجھ میں نہ آتی۔ شاید امتثال(۳) نہ کرتا اور یہ عبدیت کے خلاف ہے کہ جو سمجھ میں آوے کرے اور جو نہ آوے نہ کرے۔ چنانچہ بہت لوگوں کو اس میں کلام ہے کہ حج کیوں مقرر ہوا۔ اس کی حکمت سمجھ میں نہیں آئی۔ روزہ نماز کی حکمت تو سمجھ میں آ گئی مگر حج کے بارے میں حکمت سمجھ میں نہ آنے سے بعض لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ فرضیت حج ہی سے انکار کے قریب ہو گئے۔ نماز میں تو یہ سمجھے کہ اس میں عبدیت کی صورت ہے۔ تسبیح وتقدیس رکوع وسجود میں اپنی شکستگی نمایاں ہے(۴) بہت خشوع خضوع ہے اور روزہ واقعی قوت بہیمیہ(۵) کو توڑ دیتا ہے اس کا نکتہ بھی سمجھ میں آ گیا۔ اسی طرح زکوٰۃ کی حکمت تو کھلی ہوئی ہے۔ اس میں مساکین کا اغناء ہے مادہ بخل کو توڑنا ہے یہ سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔

حج کے بارے میں فلسفیانہ خیالات

مگر حج کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا کہ بادلوں کی طرح رہو سلا ہوا کپڑا نہ پہنو سر کھلا ہوا ہو ٹوپی نہ ہو اس میں کیا فائدہ؟ اور لیجئے بیت اللہ کے طواف میں دیوانوں کی طرح دوڑتے ہیں، صفا ومروہ میں دوڑتے ہیں اور کنکریاں مارتے ہیں یہ کیا ہے؟ یہ حرکات

(۱) ثواب کا باعث (۲) مصلحت کی وجہ سے حکم بجالانا (۳) حکم پر عمل نہ کرنا (۴) رکوع سجدہ سے تکبر ٹوٹتا ہے (۵) حیوانی قوت۔

عاقلانہ تو ہیں نہیں۔ بے شک عقل پرستوں کی سمجھ میں یہ باتیں نہیں آسکتیں مگر باوجود اس کے یہ لوگ فرضیت کا انکار اس لیے نہ کرسکے کہ قرآن میں اس کی تصریح ہے اس پر ایمان ہے کہ قرآن حق ہے اور حکمت کی ضرورت تھی لہٰذا حکمت اور مصلحت ڈھونڈی۔ چنانچہ ایک بات نکالی کہ گو افعال حج تو غیر معقول ہیں۔ مگر پھر بھی اس کو شریعت میں جو رکھا گیا ہے اس لیے کہ اہل عرب پہلے سے کرتے ہوئے آرہے تھے اس لیے اگر اب روکتے، تو روکنے سے ان کو وحشت ہوتی لہٰذا ان کو اپنی پہلی حالت پر برقرار رکھا گیا تو اس حکمت کی رعایت کی گئی۔ زوائد کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ طواف سعی وغیرہ زائد ہیں۔ اگر روکتے تو یہ حکمت مختل ہوجاتی (۱)۔

بعض نے ایک اور حکمت نکالی کہ سارے مسلمان اگر جمع ہوں گے تو باہم تبادلہ خیالات کرسکیں گے۔ نہ معلوم یہ تبادلہ کیسا لفظ ہے اگر تفاعل کا مصدر ہے تو دال کا ضمہ کہاں گیا پھر آخر میں یہ کیسی یہ لغت بھی نیا نکالا ہے اتنی بڑی غلطی اور اس پر غضب ہے کہ کہتے ہیں فصیح ہوگیا غلط العام فصیح۔ اسی طرح آج کل کی اردو میں اور بھی بعض الفاظ ہیں چنانچہ ایک لفظ شکریہ مستعمل ہے یہ سمجھ میں نہیں آتا کی یہ یا اور ہا کیسی اور ایک لفظ صداقت ہے اس کو صدق کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ صداقت کے معنی صدق کبھی نہیں سنے۔ دوستی کے معنی میں تو البتہ آتا ہے باقی صدق کے معنی میں میری نظر سے نہیں گزرا مگر عام لوگوں میں رائج ہے۔ عداوت کے مقابلہ میں صداقت آتا ہے نہ کہ کذب کے مقابلہ میں۔ بس اسی طرح یہ لفظ تبادلہ ہے (البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر زبان کو دوسرے زبان کے الفاظ میں تصرف کا حق ہے جیسا عربی میں فارسی الفاظ کے اندر تصرف کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اردو زبان بھی عربی اور فارسی لغات میں تصرف کرتی ہے اگر وہ تصرف عام طور سے مستعمل ہوجائے تو محل اعتراض نہ رہے گا ۱۲ ظ) غرض یہ لوگ کہتے ہیں کہ حج اس لیے مقرر ہوا تاکہ تبادلہ خیالات اور سوال ہوسکے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ ایک دوسرے سے بیع فروخت کریں ایک دوسرے کو اپنے خیالات پر مطلع کرسکیں یہ اتفاق کی جڑ ہے یہ حاصل ہے اس فلسفہ مخترعہ کا مگر ہم نے تو حاجیوں کو اکثر لڑتے دیکھا

(۱) اس حکمت میں خلل آتا۔

ہے اسی لیے ارشاد ہے ولا جدال فی الحج (حج میں لڑائی جھگڑا نہیں) غرض یہ سب بے سروپا مجذوب کی سی بڑ ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے نہ ثبوت ہے۔ جو جی میں آیا ہانک دیا۔ ان کو تو ہر جگہ فکر دنیا کی ہے۔ اور اسی کی مصلحت کی تلاش ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان افعال کو جو فی الواقع زوائد تھے اصل سمجھ لیا یعنی تجارت اموال وتبادلہ خیالات۔ حج میں تجارت کی اجازت تو ہے مگر یہ مقصود تو نہیں ہے۔

رہا تبادلہ خیالات تو اس کا موقع ہی کہاں ملتا ہے اور اگر موقع بھی ہوتا تو ایک بات اس سے مانع تھی۔ وہ یہ کہ ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھتے دوسرے اگر سمجھے بھی تو اس وقت پریشانی اتنی ہوتی ہے کہ اس کے انسداد(۱) کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ (۲) یعنی دیکھو حج میں بیہودہ باتیں اور لڑائی جھگڑا نہ کرنا اب فرمایئے یہ فلاسفیانہ کیسی مہمل باتیں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لکھنے والے نے کبھی حج ہی نہیں کیا اگر حج کرتا تو معلوم ہوتا کہ وہاں اس کی فرصت ہے یا نہیں؟ مگر یوں ہی ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے جو جی میں آیا ہانک دیا۔

دوران حج تجارت کی اجازت ہے

غرض تبادلہ خیالات کی مصلحت تو مہمل ٹھہری وہ تو باطل ہوگئی ہاں تبادلہ اموال کی حکمت کچھ کچھ صحیح نظر آتی ہے مگر حقیقت اس کی صرف اتنی ہے کہ جائز ہے واجب اور مقصود نہیں۔ کما قال تعالیٰ: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (۳) صحابہ کو یہ شبہ تھا کہ ایام حج میں تجارت کرنا کہیں گناہ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو دور فرمادیا کہ اگر کوئی کرنا چاہے تو اس کو گناہ نہ ہوگا اگر حج سے مقصود ہی تجارت ہوتی تو صحابہ کو گناہ کا خیال ہی نہ ہوتا اور ہوتا بھی تو اللہ تعالیٰ اس خیال کو رد فرماتے اور رد بھی اس عنوان سے نہ فرماتے بلکہ بلیغ عنوان سے زور سے رد کرتے یہاں رد کہاں بلکہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ (۴)

---

(۱) روک تھام (۲) سورۃ البقرہ: ۱۶۷ (۳) ''تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے'' سورۃ البقرہ: ۱۹۸ (۴) ''تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ معاش کی تلاش کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے''۔

سے ہر شخص یہی سمجھتا ہے کہ گناہ کے نہ ہونے کو بیان فرمایا ہے کہ تھا تو حج کی وضع کے خلاف کام، مگر بندوں کی مصلحت سے اجازت دے دی ہے تو یہ صرف اجازت ہے تجارت کی نہ کہ مقصودیت تجارت کی۔ کیونکہ مقصود کو ایسے عنوان سے بیان نہیں کیا جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ مقصود نہیں۔

حج کے ارکان مقصودہ

اور جن کو یہ لوگ زوائد سمجھتے ہیں ان کے متعلق حکم ہے وَلۡيَطَّوَّفُواْ بِالۡبَيۡتِ الۡعَتِيقِ (اور اس مامون گھر کا طواف کریں) یعنی امر کے صیغہ سے اس کو بیان فرمایا جو وجوب کے لیے ہے اور حدیث میں ہے الحج عرفة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حج عرفات میں جانے کا نام ہے۔ استغفر اللہ استغفر اللہ ان لوگوں کو قرآن حدیث کی پرواہ نہیں۔ بس اپنے ہوائے نفسانی کو رہبر بنالیا ہے اور قرآن وحدیث کو چھوڑ دیا۔ جس کو قرآن وحدیث نے فرض اور مقصود بتلایا تھا، یہ اس کو زوائد کہتے ہیں اور جس کو زوائد بتلایا تھا یہ اس کو اصل مقصود قرار دیتے ہیں اور ان میں بعضے وہ لوگ بھی ہیں جو منشی فاضل مولوی فاضل وغیرہ بڑے بڑے پاس حاصل کئے ہوئے ہیں۔ میں نے تو ایک موقع پر ایسے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ یہ زبان دانی تو ابوجہل کا علم ہے۔ جرمن بیروت میں بھی بہت سے عیسائی بڑے بڑے عربی داں اور ادیب ہیں مگر کیا وہ مقتدائے دین ہیں۔ ہرگز نہیں۔ بس یہ لوگ دو چار عربی کے دیوان سمجھ کر دیوانے ہوگئے اور اپنے نزدیک بڑے عالم اور کامل ہوگئے مگر محض دعویٰ سے آدمی کامل نہیں ہوسکتا کامل تو وہ ہے جس کو کوئی کامل کہہ دے۔

عیسیٰ نتواں گشت بتصدیق خرے چند(۱) بنمائے بصاحب نظرے گوہر خودرا

جب تک کہ اہل فن کسی کی نسبت نہ کہے کہ یہ کامل ہے اس وقت تک کسی کو حق نہیں کہ اپنے کو کامل سمجھے۔

(۱) ’’اپنا گوہر کسی صاحب نظر کو دکھلاؤ کیونکہ چند گدھوں کی تصدیق سے تم عیسیٰ نہیں ہوسکتے‘‘۔

فرق باطلہ پیدا ہونے کی وجہ

تو کیا یہ غضب ہی نہیں کہ عربی کی دو چار کتابیں پڑھ کر لوگ یوں سمجھ لیں کہ ہم عالم متبحر ہو گئے ہیں اور قرآن وحدیث کی تاویل کرنے بیٹھ جاویں۔ اس طرح تو جس کا دل چاہے تاویل کر لے۔ چنانچہ قرآن کو تاویل کر کے ہی بہتر (۷۲) فرقے ہوئے ان کا یہ مقصود ہی نہ تھا کہ حق کو معلوم کریں اگر یہ قصد ہوتا تو غلط تاویل کی جرات ہی نہ ہوتی۔ باقی اہل حق میں جو اختلاف ہے تو اس کا منشاء [1] یہ ہے کہ انہوں نے قصد تو کیا اتباع قرآن وحدیث کا اس قصد کے ساتھ مختلف محمل سامنے آگئے تو اہل حق کا تو قصد اتباع کا ہوتا ہے مگر اہل ہوا کا یہ خیال نہیں ہوتا۔ میں بقسم کہتا ہوں ان کا حال یہ ہے کہ پہلے ایک رائے آزادی سے قائم کر لی۔ اس کے بعد قرآن وحدیث کو دیکھتے ہیں کہ اپنی خواہش کے موافق کوئی آیت حدیث مل جاوے۔ اور ملنے کی بھی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ جس طرح شیعوں کو قرآن میں جہاں کہیں میم، تے، عین کا مادہ ہو۔ متعہ ہی نظر آتا ہے۔ اسی طرح اہل ہوا کو بھی کسی ایک جگہ اپنی خواہش کے موافق کوئی لفظ مل گیا تو قرآن میں ہر جگہ اپنی خواہش کو ٹھونسنے لگتے ہیں اور معانی میں تحریف کرنے لگتے ہیں۔ سو اس کا نام اتباع حق نہیں کیونکہ انہوں نے تو دلیل کو اس نظر سے دیکھا ہے کہ ہمارے دعویٰ کے مخالف ہے یا موافق اگر مخالف ہوئی تو اس کے معنی میں تاویل اور ہیر پھیر کر لیتے ہیں اس کو مولانا فرماتے ہیں۔

بر ہوا تاویل قرآن میکنی — پست وکژ شد از تو معنی سنی
کردہ تاویل لفظ بکر را — خویش را تاویل کن نے ذکر را
چوں ندارد جان تو قندیلہا — بہرونیش میکنی تاویلہا [2]

---

(۱) اس کی وجہ (۲) "ہوا پر قرآن کی تاویل کرتے ہیں جس سے اس کے روشن معنی پست ہو جاتے ہیں۔ تم تاویل لفظ بکر سے کرتے ہو اپنی تاویل کرو کسی کا ذکر نہ کرو۔ تمہارے اندر قرآن سمجھنے کا فہم ہی نہیں اس لیے تاویلات کرتے ہو قرآن سمجھنے کا فہم پیدا کرو اور تاویلات چھوڑ دو"۔

سو اس طرح سے فرق باطلہ پیدا ہوگئے کہ انہوں نے قرآن کو اپنی ہوا کے تابع بنایا یعنی تابع بنانا چاہا گو ہوا نہیں کیونکہ

کلامیکہ محتاج یعنی باشد لا یعنی ست(۱)

سو قرآن ایسا کلام کیوں ہونے لگا اس لیے قرآن میں ایسی تاویلیں نہیں چلتیں اس کو اہل حق سمجھتے ہیں اور اگر ذوق صحیح ہو اور آدمی منصف ہو تو ہر شخص معلوم کرے گا کہ کس جگہ کیسی دلیل ہے یعنی کیسی جگہ تو دلیل کی بناء ہے دعویٰ پر اور کہاں دعویٰ کی بناء ہے دلیل پر۔

حقیقت علم

اس کے سمجھنے کے لیے قلب میں نور ہونا شرط ہے اور وہی نور علم ہے حقیقت میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی فاوصانی الیٰ ترك المعاصی
فان العلم فضل من اله وفضل اللّٰہ لا یعطیٰ العاصی(۲)

پس علم وہ ہے جو گناہ کرنے سے زائل ہو جاتا ہے اور گنہگار کو حاصل نہیں ہوتا۔ اگر محض الفاظ دانی کا نام علم ہوتا تو وہ معاصی کے ساتھ بھی جمع ہو جاتا ہے بلکہ کفر کے ساتھ بھی ورنہ بیروت اور جرمن میں عیسائی عربی کے ادیب کیسے ہوتے۔ ان کا حافظہ بھی قوی ہے ذہن بھی تیز ہے۔

پس معلوم ہوا کہ علم اس کا نام نہیں ہے، حقیقت میں علم کی حقیقت نور ہے جس کی نسبت قرآن میں ہے قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ (۳) اسی کو روح بھی فرمایا ہے وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ (اور ان کو اپنے فیض سے قوت دی ہے) بس حقیقت میں یہی چیز علم ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے کتابیں زیادہ نہیں پڑھی تھیں مگر اللہ تعالیٰ نے قلب میں ایک نور بخشا تھا کہ جس چیز کو بیان فرماتے

---

(۱) ”جو کلام یعنی کا محتاج ہو وہ باطل ہے“ (۲) ”میں نے حضرت وکیعؒ سے سوء حافظہ کی شکایت کی۔ انہوں نے مجھے گناہوں کے چھوڑنے کی نصیحت کی پس علم اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہے جو گناہگار کو عطا نہیں ہوتا“ (۳) ”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے اور ایک کتاب واضح“۔

تھے۔ بالکل صحیح فرماتے تھے اور اب کسی کو کتنا ہی تبحر ہو جاوے مگر وہ علم نصیب نہیں جو امام صاحب کو حاصل تھا۔ اس حالت میں اگر کوئی کہنے لگے کہ میں ابوحنیفہؒ سے علم میں زیادہ ہوں تو وہ جاہل ہے۔ اس کو حقیقت معلوم نہیں کہ علم کہتے ہیں کس کو۔ عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

نہ ہر کہ چہرہ برا فروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند
ہزار نکتہ باریک ترز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند(۱)

حقیقت میں فن دانی اور چیز ہے۔ تحریر اور روایات کا معلوم ہونا اور بات ہے۔ خوب کہا ہے عارف شیرازیؒ نے۔

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد　　بندہ طلعت آن باش کہ آنے درد(۲)

ہمارے اور مجتہدین کے علم میں فرق

اس آن کا نام شان اجتہادی ہے جواب مقصود ہے جس کا امتحان بہت آسانی سے اہل علم کر سکتے ہیں یعنی اپنی اور سلف کی علمی شان کا وہ یہ کہ چند سوال ایسے تجویز کئے جائیں کہ واقعات اور حوادث پیش آتے رہتے ہیں وہ سوالات ان کے متعلق ہوں مگر ان کے جواب سلف کے کلام میں نہ دیکھے ہوں پس ایسے سوالات قائم کر کے بدون فقہ کی کتاب دیکھے محض قرآن وحدیث سے ان کا جواب نکالا جائے۔ پھر سلف کے کلام میں ان سوالات کے جواب دیکھے جائیں۔ اس کے بعد انصاف کی نظر سے موازنہ کر کے دیکھا جائے کہ دونوں کے جواب میں کس قدر فرق ہے۔ قرآن وحدیث پر ان کے جوابات زیادہ چسپاں ہیں یا تمہارے؟ میں بقسم کہتا ہوں کہ ہمارا جواب تو اوپر اوپر ہوگا اور وہ تہہ سے ہوگا۔ نکال کر لایئے اور موازنہ کر لیجئے مگر شرط یہ ہے کہ مخاطب اہل فہم ہو تو معاند نہ ہو، تو اس کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ دونوں کے علوم میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس وقت خود فیصلہ ہو جائے گا کہ کون اجتہاد کی صلاحیت رکھتا ہے کون نہیں؟ یقیناً

(۱) ''ہر وہ شخص جو اپنے چہرہ کو روشن کرے ضروری نہیں کہ وہ دلبری بھی جانتا ہو ہر وہ شخص جو آئینہ رکھتا ہو ضروری نہیں کہ وہ سکندری بھی جانتا ہو اس میں بال سے زیادہ باریک نکات ہیں ہر وہ شخص جو سر منڈاتا ہو ضروری نہیں کہ وہ قلندری بھی جانتا ہو'' (۲) ''معشوق وہ نہیں جو خوبصورت بال اور پتلی کمر رکھتا ہو بلکہ حسین وہ ہے کہ اس میں کچھ آن ہو''۔

اقرار کرنا ہوگا کہ تم کو اجتہاد کا حق نہیں ہے۔ وہی اس کے لیے مخصوص تھے۔ علوم حقیقی انہیں کے پاس تھے انہوں نے ہی دین کو مکمل کیا۔ یہ نہیں کہ اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا بلکہ قرآن اور حدیث سے نکال کر سب کچھ بیان کیا۔ ہمارا علم ان کے سامنے حقیقت میں علم ہی نہیں۔

بہر حال علم خاص نور سے نصیب ہوتا ہے گو اجتہاد کے درجہ کا نہ ہو مگر اس کے تابع تو ہو اور اس وقت اس نور میں کمی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نور عمل سے بڑھتا ہے اگر عمل ہے تو علم صحیح بھی نصیب ہے اگر عمل نہیں تو وہ علم بھی میسر نہیں۔ سلف کو دیکھ لیجئے کہ وہ کیسے عمل کرنے والے تھے۔ اس لیے ان کو وہ نور حاصل تھا وہ کہیں جائیں نور ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ ادھر ہمارے اعمال دیکھ لیجئے کیسے گندے ہیں اس لیے وہ نور بھی نصیب نہیں بس ہمارے نہ سمجھنے کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ ہم میں وہ نور نہیں ہے اور اب بھی جن کو وہ نور حاصل ہے وہ جیسا سمجھتے ہیں دوسرا نہیں سمجھ سکتا حتی کہ ان کے یہاں جو چیزیں بدیہیات بلکہ حسیات ہیں دوسروں کے یہاں عقلیات اور حسیات سے بھی زیادہ خفی ہیں۔ پھر ان میں اور سلف میں وہی نسبت ہے جو اس زمانہ کے صاحب نور اور غیر صاحب نور میں فرق ہے کہ سلف کے یہاں جو چیز بدیہی بلکہ بدیہی سے بھی زیادہ جلی ہے، ان کے یہاں نظری ہے اور اس فرق کے امتحان کی وہی صورت ہے جو میں نے اوپر بتلادی ہے۔ جب چاہو امتحان کر کے دیکھ لو اور حقیقی فرق تو مدت کے بعد معلوم ہوتا ہے مگر کوشش کرو بقدر ضرورت ضرور ہدایت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (۱) غرض حقیقت میں وہ ہے جس میں نور ہے۔

آج کل کے فضلاء

مگر اب تو یہ حال ہے کہ چار حرف پڑھ لیے بس اپنے کو فاضل کامل سمجھنے لگے

(۱) ''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو راستے ضرور دکھائیں گے اور اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے'' سورۃ العنکبوت: ۶۹۔

اور علماء کو ناواقف کم فہم اور اپنے کو عاقل ہوشیار کہنے لگے اور پھر اس پر رائے دیتے ہیں علماء کو یوں کرو یوں نہ کرو۔ میں نے ایک موقع پر کہہ دیا کہ ان علماء سے تو یہ توقع رکھو مت کہ وہ تمہارا اتباع کریں گے کیونکہ وہ تو پرانے دقیانوسی ہیں تمہارے کہنے میں نہیں آویں گے ہاں تم خود مولوی بن جاؤ پھر مولوی بن کر جو چاہو کرو مگر ان کو رائے مت دو۔

ایک شخص صدقہ فطر دے رہا تھا ان کے ایک رشتہ دار صاحبزادے کہنے لگے یہ حکم فطرہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہر زمانہ میں نصف صاع گیہوں دیا جائے اس زمانہ میں اناج سستا تھا نصف صاع کا حکم مناسب تھا۔ اب اناج کی قیمت زیادہ ہے نصف صاع کے دام بہت ہوتے ہیں اب کم دینا چاہیے اس شخص کا بیان ہے کہ میں نے کہا ہاں آپ اس کا علاج کردیجئے مگر مولویوں سے ایسے فتویٰ کی توقع نہ رکھئے۔ کہا سبحان اللہ میں گالیاں کھاؤں میں نے کہا سبحان اللہ اور وہ گالیاں کھاویں تم کو تو کم گالیاں پڑیں گی کیونکہ تم جاہل ہو اور ان کو زیادہ گالیاں دیں گے کیونکہ وہ عالم ہیں جب میں نے یہ کہا تو آپ چپ ہوئے۔

غرض یہ حالت ہے کہ ہر شخص رائے دیتا ہے۔

مگر افسوس اب تو اکثر علماء جاہلوں کے تابع ہوگئے اب تم دیکھو گے کہ وہ الیکشن میں بھی مارے مارے پھرتے ہیں اور ووٹروں کی زیارت بھی کرتے ہیں۔ خان بہادروں کی خوشامد بھی کرتے ہیں اور ہندو لیڈروں کا استقبال بھی کرتے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۲۱ ظ

گربہ میرو سگ وزیر و موش را دیوان کنند　　　　ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند (۱)

آثار منصوریت

اگر دین ان کے ہاتھ ہوتا تو خدا جانے یہ کیا کرتے "وہ تو خدا گنجے کو ناخن ہی نہیں دیتے" (۲) خدا نے اپنے دین کی حفاظت خود کی ہے حدیث میں ہے لا یزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق منصورین لا یضرهم من خذلهم (۳) کہ اس امت میں

(۱) "بلی کو امیر کتے کو وزیر اور چوہے کو اگر دیوان مقرر کریں تو ایسے ارکان سلطنت ملک ویران کردیں گے"

(۲) یعنی اگر گنجے کے ناخن ہوتے تو اپنا سر ہی کھجا کر خراب کرلیتا اسی طرح اگر دین کی حفاظت ان کے ہاتھ میں ہوتی سارے دین کو خراب کرلیتے (۳) "سنن ابن ماجہ: ۱۰۔

ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہ کر اہل باطل پر غالب رہے گا ان کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے گا اس لیے تحریف محرفین سے کچھ ضرر دین کو نہیں پہنچتا حدیث میں طائفہ کا جو لفظ آیا ہے غالباً اشارہ اس طرف ہے وہ جماعت قلیل ہوگی مگر موید من اللہ ہوگی (۱) خدا کی طرف سے اس کی تائید ہوگی اگر کوئی ان کا ساتھ نہ دے تو ان کو کچھ ضرر نہ ہوگا بلکہ ان کی منصوریت کی شان یہ ہوگی کہ اگر کوئی ان کی مخالفت کرے وہ خود مخذول (۲) ہوگا خاذل (۳) تو کیا ہوتا عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات　　بادرد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد (۴)

اور مولانا فرماتے ہیں:

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد　　تادل صاحب دلے نامد بدرد (۵)

ان کی یہ شان ہے ان کی منصوریت کا یہ اثر ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب (۶) کہ جو ہمارے کسی ولی سے عداوت کرے ہم اس کو اعلان جنگ کرتے ہیں۔ لڑائی کا الٹی میٹم دیتے ہیں۔ پھر کیا خدا کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ غرض وہ اتنے قوی ہوتے ہیں۔ ظاہر میں تو بہت پست اور ضعیف مگر باطن میں بڑے رفیع اور قوی۔ مولانا اسی اثر کو فرماتے ہیں۔

ہر کہ ترسید از حق وتقویٰ گزید　　ترسد از وے جن وانس وہر کہ دید (۷)

بزرگوں کا رعب

اور وہ کیا چیز ہے جو بزرگوں کو عطا ہوتی ہے جس سے سب پر ان کی ہیبت ہوجاتی ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں جب ان کو حکم ہوا کہ جاؤ فرعون کے پاس اس کو توحید کی دعوت کرو۔ اس وقت موسی علیہ السلام نے فرمایا۔ رَبِّ

(۱) اسے اللہ کی تائید وحمایت حاصل ہوگی (۲) ذلیل ہوگا (۳) ذلیل تو کیا کرتا (۴) ''اس دیر مکافات میں بہت تجربہ ہم نے کیا ہے کہ جو شخص اہل اللہ سے الجھا ہلاک ہوگیا'' (۵) ''کسی قوم نے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کو ناراض نہیں کیا جب تک انہوں نے کسی ولی اللہ کو اذیت نہ پہنچائی'' (۶) ''السنن الکبری للبیہقی: ۳/۳۴۶ (۷) ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور تقویٰ اختیار کرتا ہے جنات اور انسان اور جو بھی اسے دیکھتے ہیں اس سے ڈرتے ہیں''۔

إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ ‎ وَأَخِي هَـٰرُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِيٓ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ (۱) تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں: سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَـٰنًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِـَٔايَـٰتِنَآ أَنتُمَا وَمَنِ ٱتَّبَعَكُمَا ٱلْغَـٰلِبُونَ (۲) یعنی وعدہ فرمایا کہ تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنادیں گے یہ اجابت ہے ان کی درخواست کی مگر حقیقت میں اس کے علاوہ ایک اور قوت کی ضرورت تھی وہ موسیٰ علیہ السلام کے ذہن میں ظاہراً نہ آئی تھی۔ نہیں نہیں ذہن میں تو کیوں نہ ہوتی۔ انبیاء کے قلوب میں تو یہ بات راسخ ہے کہ بغیر تائید ایزدی کے کچھ ہو نہیں سکتا بلکہ زبان پر نہ آئی تھی اس کو فرمایا وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَـٰنًا کہ ہم تم کو ایک قوت دیں گے اس سے وہ قوت مراد نہیں جو ان کے جسم میں تھی بلکہ سلطان غلبہ کو کہتے ہیں۔ یہ وہی ہے جس کو ہیبت اور رعب کہا جاتا ہے حالانکہ یہاں کوئی سامان نہ تھا بیک بینی ودو گوش (۳) سیدھے سادھے طریق سے دونوں حضرات تشریف لے گئے تھے نہ کوئی بندوق تھی نہ تلوار تھی مگر فرعون کی حالت یہ ہے کہ دیکھ کر تھرا گیا زبان نہیں کھلتی تھی بات نہ کرسکتا تھا مولانا فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ‎ ‎ ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست (۴)

غلبہ اہل حق

یہ رعب اس گڈری پوش کا نہیں، یہ خدا کا رعب ہے۔ اب بھی اکثر اہل باطل کو دیکھا ہے کہ اہل حق کے سامنے دب جاتے ہیں تو یہ آثار ہیں منصوریت (۵) کے کہ جو ان کے آزار کے درپے ہو (۶) وہ ان کا ضرر تو کیا کرے گا خود کو ذلیل کردیگا (۷) تو

(۱) ”کہ میں نے قبطیوں میں سے ایک کو قتل کردیا تھا مجھے خوف ہے کہیں مجھے قتل نہ کریں اور میرے بھائی ہارون کی زبان صاف ہے ان کو بھی رسول بنا کر میرے ساتھ کردیجئے مجھے ڈر ہے کہیں وہ لوگ میری تکذیب نہ کریں“ سورۃ القصص: ۳۳۔۳۴ (۲) سورۃ القصص: ۳۵ (۳) بغیر ہتھیار لیے خالی ہاتھ (۴) ”یہ ہیبت حق کی ہے خلق کی نہیں ہے کچھ ہیبت صاحب دلق کی نہیں ہے“ (۵) یہ آثار اللہ کی مدد کے ہیں (۶) جو ان کو تکلیف دینا چاہے (۷) ان کو تو کیا نقصان پہنچائے گا خود ذلیل ہوگا۔

اس طائفہ کا کام شریعت کو تحریف سے بچانا ہے اگر ساری دنیا باطل پر جمع ہوجاوے تب بھی دین اسلام میں تحریف نہیں کرسکتی کیونکہ یہ طائفہ دین کو محفوظ رکھے گا ورنہ ان مخالفین دین نے تو جن میں بعضے مدعیان دین بھی ہیں دین کے مٹانے میں کچھ تقصیر نہیں (۱) کی بقول شیرازیؒ۔

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود ورنہ ہیچ ازدل بے رحم تو تقصیر نبود (۲)

شریعت زباں حال سے گویا کہتی ہے کہ تم نے تو میرے بگاڑنے میں کسر نہ کی تھی مگر میری تقدیر ہی میں تمہارے ہاتھوں مٹنا نہ تھا اور یہ اہل حق عدد میں قلیل ہوتے ہیں مگر قوت میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ دیکھئے فرق باطلہ کثیر اور اہل حق قلیل اور پھر ان اہل حق میں بھی محقق بہت کم گو محق (۳) کثرت سے ہوں مگر بایں ہمہ (۴) دین کی وہی حالت ہے کہ۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست خم و خمخانہ بامہر ونشان ست (۵)

وہی مہر وہی علامت وہی معرکہ باقی ہے یعنی ایسا محفوظ ہے کہ یہی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اس میں سے کیا چیز خراب ہوئی باقی جس دن خدانخواستہ خراب ہوجائیگا بس سمجھ لو قیامت قریب ہے اس کی نسبت فرماتے ہیں: لایزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق (۶) یعنی وہ غالب رہیں گے اور جن مخالفین کا اوپر ذکر ہے ان لوگوں کی یہ حالت ہے کہ انہوں نے دین کے مٹانے میں کوئی کسر نہیں رکھی حتی کہ علماء حق کو لکیر کا فقیر سمجھتے ہیں اور ان کو رائے دیتے ہیں کہ یوں ہونا چاہیے یوں کرنا چاہیے۔

بددین عقلاء

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسرار واحکام شریعت کے سمجھنے کے لیے اپنی عقل کو کافی سمجھتے ہیں۔ بس جہاں جو کچھ سمجھ میں آ گیا اس کو تسلیم کرلیا۔ اور بعض جگہ جو سمجھ میں نہیں

(۱) کمی نہیں چھوڑی (۲) ''اس ناتواں کا قتل تیری تلوار سے مقدر نہ تھا ورنہ بے رحم دل سے ذرا برابر بھی کسر باقی نہیں تھی'' (۳) مٹانے والے زیادہ ہوں (۴) اس سب کے باوجود (۵) ''اب بھی ابر رحمت درفشان ہے خم وخمخانہ مہر ونشان کے ساتھ ہے'' (۶) سنن ابن ماجۃ: ۱۰۔

آیا تو اس کی نسبت کہہ دیتے ہیں کہ اس کو علماء نے بنالیا ہے۔

چنانچہ ایک بیرسٹر تھے الٰہ آباد میں انہوں نے ایک مولوی صاحب سے کہا کہ سود کو حلال کر دو وہ غریب یہی سمجھا تھا کہ مولوی صاحب کی قدرت میں ہے حلال کرنا۔ مولوی صاحب نے کہا بھلا یہ کس کو قدرت ہے کہ سود کو حلال کرے یہ کیونکر ممکن ہے کہ صریح نص قرآن کے خلاف جرات کرے تو آپ حیرت سے پوچھتے ہیں کیا قرآن میں سود کا حرام ہونا مذکور ہے۔ مولوی صاحب نے قرآن کی آیت سنائی تو اس خیال سے توبہ کی اور کہا واللہ میں تو اب تک یہی سمجھے ہوئے تھا کہ یہ مولویوں نے بنارکھا ہے خیر یہ ندامت بھی ایمان کی بدولت ہوگئی۔ وہ بیرسٹر صاحب مشہور تھے مولوی کر کے مگر قرآن کی خبر نہیں تھی ان کو یہ خیال تھا کہ سود کو مولویوں نے حرام کیا ہے اب سب مولوی جمع ہو کر دوسرا حکم کر دیں گے۔ بیچارے کو علم نہ تھا۔ علم کے بعد توبہ کر لی۔ پھر بھی غنیمت ہے کیونکہ وہ ممالک متحدہ کے نہ تھے بمبئی کے تھے۔ جہل بسیط میں مبتلا تھے جہل مرکب میں نہ تھے کیونکہ جو جہل مرکب میں مبتلا ہے اس کی اصلاح نہیں ہوتی۔

آج کل کے عقلاء کی تحریف

اب تو یہ حالت ہے کہ اس کو قرآن کا حکم تسلیم کر کے جان بوجھ کر بدلتے ہیں چنانچہ ایک رسالہ میں لکھا تھا کہ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْۚ (۱) میں یہ لفظ ربوا نہیں ہے بلکہ ربا بضم الراء ہے جیسے ہوش ربا ودلربا بودن سے جس کے معنی چھیننے غصب کرنے کے ہیں۔ مولویوں نے زیر لگادیا نہ معلوم قرآن میں فارسی کہاں سے آگئی؟ وہ تو لغت عرب پر نازل ہوا ہے اور یہ ان کے نزدیک بالکل ٹھیک تھا۔ چودہ قرات میں تو کہیں یہ ہے نہیں یہ پندرہویں قرات ہوگی تو لکھا ہے کہ مطلب قرآن کا یہ ہے کہ چھین جھپٹ کر کے مال نہ کھاؤ باقی سود تو رضامندی سے ہوتا ہے مولویوں نے زیر لگا کر ربا بنادیا۔ حضرت کے زمانہ میں زیر نہ تھا۔ کوئی پوچھے اس احمق سے کہ اس وقت کیا تھا تیرے پاس اس کی کوئی دلیل ہے اگر دلیل ہو تو لا۔

---

(۱) ’’اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا‘‘ سورۃ البقرۃ:۲۷۵۔

پھر یہ کہ قرآن میں فارسی اور اگر فارسی بھی ہے تو مصدر بھی نہیں بلکہ اسم فاعل سماعی تو معنی یہ ہوئے کہ ربائندہ کو نہ کھاؤ یہ تو لغتہً حماقت ہے اور عقل کی رو سے یہ جہالت ہے کہ اگر ربوا حلال ہو تو کافروں سے لیں یا مسلمانوں سے کافروں کو تو ضرورت نہیں کیونکہ کافروں کے پاس بہت مال ہے تو کافروں سے تو سود لینے کی نوبت نہ آوے گی وہ خود ہی مالدار ہیں وہ تو مہاجن ہیں۔ مہاجن تمہارے در پر کیوں آویگا۔ کافر سے تو لے نہ سکے اب مسلمان سے لوگے۔ تو ایک تو مسلمان ہندوؤں ہی کے ہاتھ تباہ حال ہیں اب دو طرف سے ذبح ہوں گے کہ کافر ان سے الگ سود لیں مسلمان الگ لیں پھر مسلمان کو فائدہ کیا ہوا سود کے حلال ہونے سے افسوس اتنی عقل بھی جس کو نہ ہو وہ قرآن میں دخل دے پھر لوگ اس کو زمانہ شناس بھی کہتے ہیں۔ زمانہ شناس تو ہے نہیں ہاں زنانہ شناس (۱) اگر کہتے تو اچھا تھا کہ گھر کے اندر بی بی بچہ ہی کو جانتے ہیں اور کسی بات کی خبر نہیں۔

لغو تاویلات

غرض یہ حالت ہے ہم لوگوں کی کہ دین کی خدمت کرنا تو الگ رہی الٹے دین کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور لیجئے ایسے ہی ایک اور شخص کا واقعہ ہے وہ کہتے تھے کہ نماز کے لیے وضو کی ضرورت نہیں وضو مقصود فی نفسہ نہیں ہے۔ پہلے وضو کا حکم اس لیے تھا کہ وہ لوگ بکریاں چراتے تھے اونٹ پالتے تھے وہ موت دیتے تھے چھینٹیں پڑتی تھیں اونچی لنگی ہوتی تھی ہاتھ پیر پر موت کے چھینٹے لگ جاتے تھے اس لیے حکم ہوا کہ ہاتھ پاؤں دھولو اور ہمیں کیا ضرورت ہے؟ ہم تو سر سے پیر تک بوٹ سوٹ دستانوں جرابوں میں جکڑے رہتے ہیں۔ بند کمروں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اچھا منہ اور سر پر تو موت نہیں پہنچ سکتا تھا پھر اس کے دھونے کا حکم کیوں ہے؟ اس پر شاید یہ کہا جائے گا کہ وہ ریگستانی ملک ہے وہاں غبار بہت اڑتا تھا منہ اور سر پر غبار لگ جاتا تھا اس لیے اس کے دھونے کا حکم ہوا اس لغو تاویل کی بزعم (۲) ان کے اس بات سے اور تائید ہوگئی کہ وضو میں اعضائے مکشوفہ (۳) ہی کے دھونے کا حکم ہے اعضائے مستورہ (۴) کا نہیں۔ ایک تو یہ دعویٰ

(۱) عورتوں کو پہچاننے والا (۲) ان کے خیال میں (۳) کھلے ہوئے (۴) چھپے ہوئے۔

ہی بد دینی تھا پھر شیطان نے یہ تائید بھی بتلا دی اس پر اس مقدمہ کا اضافہ ہو گیا کہ ہم تو ہمیشہ غسل کرتے ہیں آئینہ دار مکان میں رہتے ہیں عالی شان کمروں میں رہتے ہیں جس میں ہر میل کچیل سے مامون (۱) رہتے ہیں پھر ہمیں کیا ضرورت ہے وضو کرنے کی؟ بس یہ مقدمات گھڑ کے ان کو باہم ترتیب دے کر یہ نتیجہ نکال لیا کہ بدون وضو کے نماز جائز ہے۔

کوئی اس جاہل سے یہ پوچھے کہ حضرات صحابہ ہی کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے قیصر وکسریٰ کے خزائن اور محلات وقصور فتح کرادیئے تھے اور یہ بکری چرانے والے ایسی عالی شان بادشاہت کے مالک بنے تھے جس کا تم کو خواب بھی نہیں آسکتا تو کیا اس درجہ پر پہنچ کر انہوں نے وضو کو ترک کر کے بے وضو نماز شروع کر دی تھی۔ اگر نہیں تو کیا تم ان سے زیادہ قرآن کو سمجھتے ہو؟

برسٹر صاحب کا غلط اجتہاد

اور لیجئے ایک بہت بڑے بیرسٹر فخر یہ کہتے تھے کہ ہم نے جس روز امتحان کا پرچہ لکھا ہے نماز قصر پڑھی تھی کہ کسی نے پوچھا کیوں؟ کہا قرآن میں آیا ہے فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ إِنْ خِفْتُمْ (۲) اور ہمیں امتحان کی وجہ سے خوف تھا کہ پرچہ اچھا لکھا گیا یا نہیں ان سے کوئی پوچھے کہ ان خفتم کا مفعول کیا ہے؟ مگر یہ لوگ کہہ دیں گے أَن يَفْتِنَكُمُ جو امتحان کے معنی میں بھی آتا ہے اور ممتحن کفار تھے اس لیے أَن يَفْتِنَكُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوٓا۟ (کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے) صادق تھا۔ مگر ایک شخص نے بہت اچھا جواب دیا کہ اگر تم نماز نہ پڑھتے تو اچھا تھا کہ اپنے کو گنہگار تو سمجھتے اور نماز کی قضا تو کرتے اب تو اس اجتہاد کی گھمنڈ میں تم نے اپنے کو گنہگار بھی نہ سمجھا اور نہ نماز کی قضا کی حالانکہ یہ اجتہاد محض غلط ہے کیونکہ یہ حکم ایک اور شرط سے بھی مشروط تھا جس کو تم نے حذف کر دیا کیونکہ آیت کی ابتدا اس طرح ہے وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ (۳) اور تم نے امتحان کے دن کونسی

(۱) محفوظ (۲) ''تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہوگا کہ تم نماز کو کم کردو اگر تم کو اندیشہ ہو'' سورۃ النساء:۱۰۱ (۳) ''اور جب تم زمین پر سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں'' سورۃ النساء:۱۰۱۔

منزل یا مسافت طے کی تھی۔ اب بیرسٹر صاحب کی آنکھیں کھلیں کہنے لگے واقعی ہم نے ان شروط پر غور نہیں کیا پھر نماز کو قضا کیا۔ کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ کوئی قانون معاہدہ اگر مشروط ہو دو شرطوں (۱) کے ساتھ وہ ایک شرط کے پائے جانے سے متحقق نہیں ہوتا ہے اور یہاں قصر مشروط ہے دو شرطوں کے ساتھ ایک تو خوف کفار دوسرا سفر۔ گو اس شخص نے کسی درجہ میں تاویل کر کے ایک شرط پیدا کر لی تھی یعنی خوف کفار مگر دوسری شرط تو موجود نہیں تھی یعنی وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ یعنی جب سفر کرو زمین میں۔ مگر سمجھانے سے وہ مان گئے کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی۔ خیر صاحب پھر بھی وہ اوروں سے غنیمت تھے غلطی کا اقرار تو کر لیا۔ مگر ممکن ہے کہ کوئی صاحب امتحان کے دن اس شرط کو بھی پورا کرلیں اور کہنے لگیں ضرب کے معنی چلنے کے ہیں اللہ میاں فرماتے ہیں جب چلو زمین میں اور ہم بھی تو زمین میں چلے ہیں۔ کہ گھر سے دارالامتحان تک چل کر آئے مگر میں کہتا ہوں پھر اس طرح تو امتحان کی بھی تخصیص نہ رہے گی تم کو ہمیشہ قصر ہی پڑھنا چاہیے کیونکہ دو چار قدم تو گھر میں بھی چلنے کی نوبت آتی ہے۔

بے ہودہ استدلال

اب ان سب سے بڑھ کر اور لیجئے ایک شخص ہمیشہ گھر میں بھی قصر پڑھا کرتے تھے آپ کا استدلال بھی سنئے کہتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل (۲) کہ دنیا میں اپنے کو مسافر سمجھ کر رہو پس ہم تو دنیا میں مسافر ہیں اور مسافر کو قصر پڑھنا چاہیے۔ ایک اور صاحب تھے معقولی انہوں نے ترمذی شریف کی حدیث میں ایک باطل تاویل کی تھی حدیث میں ہے لا یقبل اللّٰہ صلوٰۃ بغیر طہور (۳) فرماتے تھے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر وضو کے نماز کو قبول نہیں کرتے ہیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بدون وضو کے نماز صحیح بھی نہیں ہوتی اور عدم قبول کو عدم صحت لازم نہیں۔ ممکن ہے بلا وضو صحیح تو ہو جاوے مگر مقبول نہ ہو۔ پھر بعد میں وضو

(۱) قصر نماز کے لیے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے (۲) الصحیح للبخاری: ۸/ ۱۱۰۔ المصابیح: ۵۲۷۴ (۳) سنن النسائی: ۱/ ۸۷۔

کر لے تو قبول بھی ہو جائیگی تو وضو شرط قبول ہے نہ کہ شرط صحت۔

کانپور میں ایک شخص نے بیان کیا کہ ایک مدعی حدیث دانی(۱) سڑک پر جا رہا تھا سڑک کے ایک جانب مسجد تھی جس میں پانی تھا مگر باوجود اس کے اس مدعی نے تیمم کر کے نماز پڑھی۔ راوی نے کہا بھائی پانی تو قریب ہے تم نے تیمم کیسے کیا کہا وہ مسجد میں تھا ہم نے جہاں نماز پڑھی وہاں تو نہ تھا۔ انہوں نے کہا فقہاء نے تو دوری کی حد بتلا دی ہے کہ کتنے دور ہونے سے تیمم کر سکتا ہے کہا وہ دوری ابوحنیفہؒ کی شرط ہے قرآن میں اس کا ذکر کہاں ہے قرآن میں تو مطلق آیا ہے کہ جب پانی نہ ملے تیمم کرلو۔ یہ آپ کے اجتہاد اور فتویٰ کا حال دیکھئے۔ آپ کیا پوچھتے ہیں اگر دین ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوتا تو نہ معلوم اس کی کیسی بری گت بنتی۔

مطلوب اہل باطل

اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اہل باطل نے اپنا اصل مطلوب تو ہوائے نفسانی(۲) کو بنایا اور قرآن وحدیث میں تاویلیں کر کے ان کو اپنی اغراض کی آڑ بنایا جہاں سہارا ملا وہ تو ان کی دلیل ہو ہی گئی مگر جہاں خلاف بھی ہوگیا اس کو ہیر پھیر کر اپنے موافق کر لیا۔ اس قسم کی جماعتیں پہلے بھی رہی ہیں مگر ان کے یہاں کچھ تدین تھا(۳) قرآن وحدیث سے کچھ نہ کچھ سہارا حاصل کر لیتے تھے اور اب تو یہ کہتے ہیں کہ ہماری رائے یہ ہے یوں ہونا چاہیے۔ چنانچہ احکام میں اس قسم کی فلاسفی اور اسرار بیان کرتے ہیں جو ان کی ہَوا(۴) کے موافق ہو سو خوب سمجھ لو اس میں دین کا بہت ہی بڑا ضرر ہے اولاً تو یہ دیکھنا چاہیے کہ آپ نے جن کو حکم اور مصالح خیال کیا آیا واقع میں بھی وہ مصالح ہیں یا نہیں اور اگر فرضاً وہ مصالح بھی ہوں تو ان کو حکم کا مبنیٰ قرار(۵) دینا بڑی خرابی کا سبب ہے کیونکہ وہ احکام کی علت اور لم تو نہیں ہیں مصالح ہی تو ہیں اور جب مصالح کو مبنیٰ قرار دیا تو اگر کسی وقت یہ مصالح زائل ہو جائیں تو حکم ہی کو منعدم(۶) سمجھے گا یا اگر کسی

---

(۱) احادیث جاننے کا دعویدار (۲) نفسانی خواہشات (۳) دینداری (۴) خواہش (۵) ان کو حکم کی بنیاد قرار دینا (۶) یہ مصلحت نہ ہو تو حکم موقوف ہو جائے گا۔

دوسرے فعل سے وہ مصلحت حاصل ہوجائے تو یہ شخص اس دوسرے فعل کو کافی سمجھے گا اور پہلے کو چھوڑ دیگا اور ظاہر ہے کہ یہ صریح تغیر ہے دین میں اور تبدل ہے شرع کی۔ مسلمان کو ایسا کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ یہ دین کے خیر خواہ بنتے ہیں مگر ان کی خیر خواہی کی حقیقت وہ ہے جس کو مولانا فرماتے ہیں۔

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست　　　حق تعالیٰ زین چنیں خدمت غنی ست(۱)

بے عقل کی دوستی کا انجام

جیسے کسی نے ایک ریچھ کو تعلیم دی تھی کہ جب وہ سوجاتا تھا تو یہ بیٹھ کے مکھی اڑاتا تھا۔ ان جانوروں کی تعلیم تو ہوجاتی ہے مگر ایسی تعلیم کہ حفظت شیئًا وغابت عنک اشیاء(۲) ایک خیر خواہ نے کہا کہ آپ نے کس کو مقرب بنایا ہے یہ تو انسان کا دشمن ہے تم نے یہ کام کیسے سپرد کیا تو آپ فرماتے ہیں ہمارا ریچھ تعلیم یافتہ ہے وہ ہمارا خیر خواہ ہے اس سے نقصان نہیں ہوگا واہ رے تعلیم یافتہ اس پر رڑکی(۳) کا ایک واقعہ یاد آ گیا جنٹلمین کیچڑ میں جلدی جلدی قدم بڑھائے جارہے تھے ہمارے ماموں صاحب بھی وہاں تھے انہوں نے فرمایا کہ بھائی پاؤں جما کے رکھو آہستہ آہستہ چلو کبھی گر نہ جاؤ آپ نے کہا میں گر نہیں سکتا میں اقلیدس کے قاعدہ پر چل رہا ہوں ماموں صاحب خاموش ہوگئے وہ تھوڑے ہی دور چل کر گر پڑے تو ماموں صاحب نے پوچھا ہاں بھائی یہ کونسی شکل بنی تو جیسے یہ تعلیم یافتہ تھے اور ان کو اقلیدس کے اوپر ناز تھا تو وہ ان کا ریچھ بھی ایسا ہی تعلیم یافتہ تھا ایک روز آپ سو رہے تھے اور ریچھ صاحب بیٹھے ہوئے مکھی اڑاتے تھے ایک مکھی اس کے ناک پر آ بیٹھی ریچھ نے اس کو اڑادیا تو وہ پھر آ گئی پھر اڑایا پھر آ گئی۔ بعض مکھی بڑی ضدی ہوتی ہے۔ غرض اس کو اڑاتا رہا اور بار بار وہ آ کے بیٹھتی رہی۔ ایک بادشاہ کا قصہ ہے کہ اس نے ایک دفعہ مکھیوں سے تنگ آ کر اپنے وزیر سے کہا کہ خدا نے جو مکھی پیدا کی ہے اس کے پیدا کرنے سے معلوم نہیں کیا فائدہ ہے وزیر

(۱) ''بے عقل کی دوستی دشمنی ہے حق تعالیٰ شانہ کو ایسی خدمت کی ضرورت نہیں'' (۲) ایک چیز کی حفاظت کی اور بہت سی نظروں سے غائب رہیں (۳) ایک شہر کا نام ہے۔

نے کیا خوب جواب دیا وہ یہ کہ متکبروں کا غرور ٹوٹ جاوے یعنی خدا نے اس کو اس لیے پیدا کیا تاکہ فرعونیت دور ہو کہ تم ایک مکھی کے اڑانے پر بھی قادر نہیں ہو اگر وہ ضد پر آجائے تو تمہارے ناک میں دم کر دے اس جواب سے بادشاہ کا دماغ سیدھا ہو گیا۔ غرض ریچھ بار بار مکھی کو اڑاتا وہ پھر آجاتی وہ کسی طرح جاتی نہ تھی ریچھ کو غصہ آگیا کہا اب تجھے ٹھیک کروں گا۔ چنانچہ ایک بڑا پتھر اٹھا لایا جب وہ پھر آکر بیٹھی آپ نے زور سے پتھر مارا جس سے مکھی تو کیا مرتی مگر مالک کے دماغ کا کچلہ بن گیا۔ اور ریچھ خوش تھا کہ لے اب بیٹھ کہاں بیٹھے گی اب میں نے اڈا ہی اڑا دیا۔ مکھی تو خدا جانے اڑی یا مری مگر اس کے سر کا تو قیمہ ہو گیا اس کا تو چکنا چور کر دیا تو جس طرح یہ ریچھ خادم تھا ایسے ہی یہ لوگ خادم دین ہیں۔

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست　　حق تعالیٰ زیں چنیں خدمت غنی ست(۱)

دین اور مصالح عقلیہ

چنانچہ اس خادم نے بزعم خود یہ خدمت کی کہ نماز روزہ کی حکمت بیان کرنا شروع کی کہ نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا جو حکم ہے اس میں یہ حکمت ہے کہ اس سے اتفاق پیدا ہوتا ہے اور اتفاق مطلوب ہے اور یہ ایک عام مرض ہو گیا ہے۔ سب کی زبان پر آتا ہے کہ جماعت سے یہ مطلوب ہے کہ اتفاق ہو اور اس کو عجیب ترتیب سے بیان کرتے ہیں کہ اتفاق کی رعایت شارع نے کیسی عجیب کی ہے کہ اول تو اہل محلہ کے اتفاق کی ضرورت ہے تو اس کے لیے یہ تجویز کیا کہ پانچ وقت مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھو جس میں ہر شخص کو آنا ضروری ہے جب دن میں پانچ دفعہ ملیں گے اور آپس میں سلام کلام ہو گا تو ایک دوسرے سے محبت ہو جائے گی ایک دوسرے کا ہمدرد ہو جائے گا۔ آپس میں جنگ وجدال باقی نہیں رہے گا تبادلہ خیالات ہو گا وہی تبادلہ تبادلہ ہر جگہ ہے وہ ٹیپ کا بند ہے۔ غرض پنج وقتی نمازوں میں تو اہل محلہ کا اتفاق اور تبادلہ خیالات ہو گیا مگر شہر کے سب لوگ پانچ وقت جمع نہیں ہو سکے لہٰذا اس کے لیے جمعہ رکھا اس لیے کہ شہر کے سارے لوگوں کا ہر وقت جمع ہونا مشکل تھا کسی کا مکان قریب ہے کسی کا دور۔

(۱) ''بے عقل کی دوستی دشمنی ہے حق تعالیٰ شانہ کو ایسی خدمت کی ضرورت نہیں''۔

لہٰذا ان کے لیے ہفتہ میں ایک دن مقرر کیا کہ جامع مسجد میں آؤ اور یہاں سب مل کر تبادلہ خیالات کرو۔ پھر اطراف ونواح کے لوگ شریک ہونے سے رہ گئے تھے تو ان کی رعایت سے عیدین کی نماز رکھی گئی کہ وہ اس میں شرکت کر کے تبادلہ خیالات کر سکتے ہیں۔ پھر ضرورت ہوئی تمام عالم کے جمع ہونے کی تاکہ سارے عالم میں اتفاق ہو ہر ایک جگہ سے بطور نمائندہ کچھ آدمی آویں اور تبادلہ خیالات کر کے جاویں اور اپنے اپنے شہروں کو جا کر خبر کریں اس لیے حج مقرر کیا گیا کیا واہیات خرافات ہے۔

فلاسفہ کی بدفہمی

اپنے نزدیک تو یہ لوگ بڑے خوش ہوئے ہوں گے کہ ہم نے بڑے حکم اور مصالح بیان کئے مگر یہ ساری تک بندی ایسے ہے جیسے یونانی حکماء نے نظام عالم کے لیے عقول عشرہ کو گھڑ لیا ہے اور اپنی گھڑت کے ایسے معتقد ہیں گویا ان کے گھڑنے سے ہی نظام عالم ٹھیک ہو گیا۔ حیرت کی بات ہے کسی ایسی ہی فلسفی سے سوال کیا گیا تھا کہ چیتے کا رنگ مختلف کیوں ہے کہیں سفید کہیں سیاہ۔ جب تمہارے نزدیک طبیعت فاعل ہے اور وہ واحد ہے تو اس کا فعل ایک ہی نہج پر ہونا چاہیے مختلف نہ ہونا چاہیے فلسفی صاحب نے جواب دیا کہ اس کا کوئی جدامجد ایک درخت کے سایہ میں بیٹھا کرتا تھا جس سے کچھ حصہ تو اس کا دھوپ میں رہتا اور کچھ سایہ میں جتنا سایہ میں تھا وہ تو سیاہ ہو گیا اور جو دھوپ میں آ گیا وہ سفید ہو گیا واہ کیا خوب اپنے نزدیک تو فلسفہ ختم کر دیا مگر اس احمق کو خبر نہیں کہ اگر دھوپ سے سفید ہوا ہے تو کیا ہمیشہ ایک ہی جگہ دھوپ پڑتی ہے وہ تو بدلتی رہتی ہے اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ چیتا بڑا مہندس اور اعلیٰ درجہ کا انجینئر تھا کہ ہمیشہ پر کار لگا کر بیٹھا کرتا تھا اور انجینئر ہونے کے ساتھ اتنا بڑا صاحب کرامت بھی تھا کہ آفتاب کو مقید کر دیا تھا کہ اپنی جگہ سے بالکل ٹل نہ سکے ورنہ سایہ کی جگہ دھوپ اور دھوپ کی جگہ سایہ آفتاب کی حرکت سے ہوتا رہتا ہے تو پھر یہ علت صحیح ہوئی۔ دیکھئے کیسا حساب بنا دیا؟ ایسے ہی احمقوں نے انسان کے جداعلیٰ کو بندر بنا دیا کہ انسان پہلے بندر تھا پھر آدمی ہوا میں کہا کرتا ہوں کہ تمہارے باپ دادا بندر ہوں گے۔ ہمارے آباؤ اجداد تو

ہمیشہ سے آدمی ہی تھے اور عضب ہے مولوی عالم فاضل کی زبان سے ایسی باتیں صادر ہوں۔ چنانچہ ایک صاحب علامہ کے لقب سے مشہور ہیں ان سے کسی نے سوال کیا وہ سائل بھی بڑے آدمی تھے سوال یہ کیا کہ اگر انسان بندر سے آدمی بنا ہے جیسا آپ کا عقیدہ ہے کہ طبیعت حیوانیہ ترقی کرتے کرتے بندر بنی پھر جو بندر نے ترقی کی تو انسان ہوگیا یہ قرآن کے خلاف ہے قرآن سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسان آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے تو علامہ نے کہا ممکن ہے کہ پہلا بندر جو انسان بنا تھا وہ آدم ہی ہوں نعوذ باللہ توبہ توبہ یہ مسلمان ہیں علامہ ہیں صاحب تصانیف کثیرہ ہیں۔ان کا یہ جواب اور یہ عقیدہ۔ ڈارون کو تو اس عقیدہ کی اس لیے ضرورت تھی کہ وہ کافر تھا مگر وہ پھر عاقل تھا ان علامہ کی طرح بیوقوف نہ تھا کیونکہ ان علامہ کے قول پر تو یہ اشکال لازم آتا ہے کہ پہلا بندر جو انسان بنا۔ وہ ایک ہی ہو اور یہ خود قانون ارتقاء کے خلاف ہے اور ڈراون پر یہ اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ وہ ایک بندر کو اصل انسان نہیں سمجھتا وہ تو یہ کہتا ہے کہ جس وقت بندر نے ترقی کی ہے تو ایک دم بہت سے بندر انسان ہوگئے، تو یہ ان مسلمانوں پر کیا غضب ہے۔ کہ ان میں نہ عقل ہے جیسا ابھی بیان ہوا نہ دین ہے کہ قرآن میں تحریف کی نہ تہذیب ہے کہ آدم علیہ السلام کے نہ باپ ہونے کا لحاظ ہے نہ نبی ہونے کا۔

غلط استنباط

اس سے بڑھ کر ان کے ایک شاگرد نے یہ کہہ دیا کہ آدم علیہ السلام نبی ہی نہ تھے ایک مثل ہے کہ بلی کے کے بھاگون چھینکا ٹوٹا(۱) ان کو اسی مثل کے موافق اس کی تائید میں بزعم ان کے ایک جملہ حدیث کا مل گیا۔

ایک حدیث ہے میں اس کو بیان تو نہ کرتا مگر اب کروں کیا قرآن حدیث سب کا ترجمہ اردو میں ہے اور ان بددینوں کی کتابیں بھی اردو میں ہیں نہ معلوم اس سے کون کس غلطی میں پڑ جائے اس لیے بیان کرنا پڑتا ہے۔ اگر ہم قادر ہوتے تو بدفہم لوگوں کو ان کتابوں کے مطالعہ سے روک دیتے۔ غرض ان کو ایک حدیث ملی اس سے

(۱) حسن اتفاق سے۔

دھوکہ ہوگیا کہ آدم علیہ السلام نبی نہ تھے وہ حدیث شفاعت کی ہے۔ اس میں یہ آیا ہے کہ لوگ قیامت کے روز پریشان ہوکر شفاعت کے لیے مختلف پیغمبروں کے پاس جاویں گے پہلے آدم علیہ السلام کے پاس جاویں گے پھر نوح علیہ السلام کے پاس آویں گے اور نوح علیہ السلام سے کہیں گے کہ آپ اول رسول ہیں آپ ہمارے واسطے سفارش کیجئے یہ حدیث ان کو مل گئی استدلال کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو اس میں آیا ہے نوح علیہ السلام اول رسول ہیں تو سب سے پہلے نبی نوح علیہ السلام ہوئے ان سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا اور آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے ہیں لہٰذا وہ نبی نہیں ہیں یہ دلیل تو پیش کی مگر حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء (ایک چیز یاد رکھی اور دوسری چیز اس سے غائب کردی) یہ خبر نہیں کہ یہی حدیث بتلا رہی کہ آدم علیہ السلام نبی تھے۔

اور یہ موٹی بات ہے کیونکہ اس حدیث میں غیر پیغمبروں سے طلب استعانت کا کہیں ذکر نہیں صرف انبیاء علیہم السلام سے مدد طلب کرنا مذکور ہے اور سب سے اول آدم علیہ السلام سے شفاعت کے خواہاں ہوں گے اگر غیر انبیاء سے بھی شفاعت میں استعانت کرتے تو غیر انبیاء بہت تھے اولیاء اقطاب لقمان علیہ السلام خضر علیہ السلام جن کی نبوت مختلف فیہ ہے ان کا بھی ذکر نہیں وغیرہم مگر ان سے استعانت نہیں کریں گے تو آدم علیہ السلام کے پاس شفاعت کے لیے جانا اگر وہ نبی نہ ہوتے تو ان کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیوں ذکر فرماتے یہ خود دلیل ہے اس کی کہ وہ نبی تھے لیجئے ورنہ سب سے اول نوح علیہ السلام کے پاس جاتے خود اسی حدیث سے ثابت ہوگیا کہ وہ نبی تھے۔ باقی نوح علیہ السلام سے جو کہا گیا کہ آپ اول رسول ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ نوح علیہ السلام سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوئے بلکہ اور بھی نبی ہوئے۔ تاریخ سے متعدد نبیوں کا نوح علیہ السلام سے پہلے ہونا ثابت ہے قرآن سے بھی ادریس علیہ السلام کی نبوت ورسالت ثابت ہے۔ کما قال فی سورۃ مریم علیہ السلام وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا (۱) الآیۃ اور وہ بہ اتفاق مورخین نوح علیہ السلام سے

(۱) ''اور اپنی اس کتاب میں حضرت ادریس علیہ السلام کا بھی ذکر کیجئے بیشہ وہ راستی والے نبی تھے'' سورہ مریم: ۵۶۔

پہلے تھے تو نوح علیہ السلام کو اول رسول کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے پہلے اور نبی نہیں ہوئے بلکہ اس کا مطلب دوسرا ہے جس کو وہ مستدل سمجھا نہیں۔

بزرگوں کی ضرورت

اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ ضرورت ہے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کی اس مطلب کی تقریر میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھی مجھے تو اپنے ایک بزرگ کی تقریر سے قناعت ہوگئی۔ شاید کسی کتاب میں بھی موجود ہو اور ممکن ہے کتابوں میں اس سے بھی اچھا جواب ہو میری نظر زیادہ وسیع نہیں مگر ہمیں تو ایسے بزرگ مل گئے تھے کہ باوجود اپنی عدم وسعت نظر کے ہم کو ان کی شرح کفایت ہوگئی۔

تعلیمات انبیاء علیہم السلام

وہ تقریر میں نے استاد علیہ الرحمۃ سے سنی ہے انہوں نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کو جو اول رسول فرمایا گیا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ پیغمبر دو قسم کے ہوئے ایک تو وہ جو کہ تعلیم معاد کے ساتھ تعلیم معاش بھی کرتے تھے کیونکہ ابتدائے عالم میں تعلیم معاش کی بھی ضرورت تھی انسان کی عقل اتنی کامل نہ تھی کہ بغیر کسی کے بتلائے تمام ضروریات معاش کو خود سمجھ لیتے اس لیے معاش کی بھی تعلیم ہوتی تھی انسان کی تو بس اتنی عقل ہے کہ جب ہابیل کو قابیل نے قتل کردیا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اس کو چھپائے کیسے، آدمی اس وقت تک دفن کرنا نہیں جانتے تھے کیونکہ کسی کو موت تو آئی نہ تھی تو جو بات اب ایک چھوٹا بچہ بھی جانتا ہے وہ اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ غرض لاش کو لیے لیے مارا مارا پھرتا تھا مورخین نے لکھا ہے کہ ایک سال کامل لاش کندھے پر لادے پھرا، پھر اس کی حالت پر خدا کو رحم آیا وہ ایسے رحیم ہیں کہ گنہگار پر بھی ان کو رحم آتا ہے فَبَعَثَ ٱللَّهُ غُرَابًا يَبۡحَثُ فِي ٱلۡأَرۡضِ لِيُرِيَهُۥ كَيۡفَ يُوَٰرِي سَوۡءَةَ أَخِيهِ (۱) خدا نے دو کوؤں کو بھیجا کہ آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کو مار کر زمین میں دفن کردے تا کہ اس کو دفن کرنا سکھلادے۔ قَالَ يَٰوَيۡلَتَىٰٓ أَعَجَزۡتُ أَنۡ أَكُونَ مِثۡلَ هَٰذَا ٱلۡغُرَابِ فَأُوَٰرِيَ سَوۡءَةَ أَخِي (۲) یہ کیفیت

(۱) سورۃ المائدہ: ۳۱ (۲) سورۃ المائدہ: ۳۱۔

دیکھ کر قابیل بے ساختہ بول پڑا کہ افسوس میں اس کوے کے برابر بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو دفن کردیتا غرض اس کو اپنی بے عقلی پر بڑی ندامت ہوئی تو انسان کی عقل تو یہ ہے اگر معاش کو انسان کی رائے پر چھوڑا جاتا تو اس سے کوئی کام بھی نہ ہوتا نظام عالم بگڑ جاتا خدا نے اپنی عنایت وشفقت سے انبیاء کے ذریعہ سے ضروری معاش کی بھی تعلیم دی۔ آدم علیہ السلام نے کپڑا بننا سیکھلایا۔ کھیتی سکھلائی ادریس علیہ السلام نے سینا سکھلایا۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کے ذریعہ سے تدابیر معاش سکھلائی گئیں تو جب تک اصول معاش مکمل نہ ہوئے تھے انبیاء علیہم السلام دونوں کام کرتے تھے معاش کی بھی تعلیم دیتے تھے اور معاد کی بھی اور جب یہ ضرورت رفع ہوگئی تو معاش کی تعلیم بند کردی گئی کیونکہ دنیا مقصود تو تھی نہیں بلکہ ضرورت کی وجہ سے اس کی تعلیم دی گئی تھی اور بقدر ضرورت تعلیم ہوگئی والضروری یتقدر بقدر الضرورۃ(۱) اس کے بعد سے صرف معاد کی تعلیم کرتے تھے تو ایسے انبیاء جو فقط معاد ہی کی تعلیم دیتے تھے ان کا سلسلہ نوح علیہ السلام سے شروع ہوا، تو الرسل پر جو الف لام ہے وہ عہدی ہے یعنی جو رسول فقط معاد ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے ان میں اول نوح علیہ السلام ہیں یہ ہے حقیقت اس جملہ کی مگر ان لوگوں کو حدیث سمجھنے کی فرصت کہاں؟ ان کو تو اس کی پرواہ ہی نہیں کہ بات صحیح ہو بس جو زبان پر آیا کہہ دیا کچھ خیال نہیں کرتے کہ اس کا وبال کیا ہوگا؟ دین پر ان لوگوں کی زیادتی حد سے بڑھ گئی۔

خودساختہ مصلحتوں کا نقصان

چنانچہ نماز کے متعلق ایک ترتیب گھڑی کہ اصل مقصود اتفاق ہے جس کی تقریر عنقریب گذری جس جگہ شعر دوستی بے خرد چوں دشمنی ست الخ دوسرے مقام پر مذکور ہے اور ظاہر میں اس کو بڑا اچھا نکتہ سمجھا جاتا ہے مگر واقع میں یہ دین کو سخت مضر ہے اس میں دین کی بڑی خرابی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک وقت ایسا آجاوے کہ نماز سے اتحاد نہ ہو یعنی لوگ نماز تو پڑھیں مگر آپس میں اتحاد کی جگہ تبدد وتشتت ہی بڑھے جیسا اب ہے کہ

(۱) ضروری کام بقدر ضرورت کرنا چاہیے۔

نماز پڑھتے ہیں لیکن قلوب میں اتفاق نہیں بلکہ بجائے اس کے جنگ وجدل ہے موذن کو امام سے لڑائی ہے دوش بدوش صف میں کھڑے ہیں مگر دلوں میں کینہ وفساد ہے یہ تو نمازیوں کا حال ہوا اور جو لوگ کلب گھر میں گیند بلا یا شطرنج کھیلتے ہیں ان کے آپس میں اتحاد واتفاق ہے پس اگر ایسا زمانہ آ گیا تو جس کے ذہن میں یہ ہے کہ مقصود نماز اور جماعت سے صرف اتفاق ہے اور وہ یہ بھی دیکھے کہ اب نماز سے یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا اور کلب گھر میں اتحاد اور اتفاق حاصل ہوتا ہے تو لامحالہ وہ یہ کہے گا کہ نماز کو چھوڑ کر کلب گھر کی خدمت اختیار کرنی چاہیے اب بتلایئے یہ بددینی ہے یا نہیں یہ گناہ عظیم بلکہ کفر میں ابتلاء ہوا یا نہیں؟ حضرت یہ مضرت ہے احکام کے حکم اور مصالح تلاش کرنے میں اگر یہ مرض نہ ہوتا تو لوگ خدا کا حکم سمجھ کر دیوانوں کی طرح ہر حکم کو بجالاتے اب وہ بات نہ ہوگی بلکہ اب تو حکمت کی وجہ سے نماز پڑھی۔ نماز خاص خدا کے حکم کی وجہ سے نہ ہوئی اور اس کے مقابلہ میں ایک وہ شخص ہے جس کا مذہب یہ ہے۔

زبان تازہ کردن بہ اقرار تو نیگختن علت از کار تو(۱)

اور جس کا مشرب یہ ہے

زندگی کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو(۲)

یہ ایسا مشرب ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے شیطان کبھی وسوسہ دل میں ڈال ہی نہیں سکتا۔ بخلاف مشرب مصلحت واتباع حکمت کے کہ اکثر طبائع ایسے مصالح کے بتلانے سے بگڑ جاتی ہیں عقائد تباہ ہو جاتے ہیں۔

علاج فلاسفہ

خدا کی توحید کے بارے میں کسی فلسفی نے سو دلیلیں جمع کیں اور یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر شخص سے پوچھتے پھرتے کہ خدا واحد ہے اس کی کیا دلیل؟ جو نہ بتلا سکتا اس

(۱) ''تیرے اقرار سے زبان کو تروتازہ کرنا ہے نہ کہ تیرے کاموں میں علتیں ڈھونڈنا'' (۲) ''زندہ کریں آپ کی عطا ہے اور اگر قتل کریں تو آپ پر قربان ہوں دل آپ پر فریفتہ ہے جو کچھ کریں میں آپ پر راضی ہوں''

کو جاہل اور حقیر سمجھتے غرض لوگوں کو پریشان کردیا۔ ایک گاؤں والے کے پاس جاکر کہا اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ واحد ہے۔ دیہاتی نے کہا ذرا ٹھہرو گھر میں سے لٹھ لایا اور اس کے پیچھے لٹھ لیکر دوڑا کہا ٹھہر تجھے دلیل بتاتا ہوں یہ لٹھ دلیل ہے وہ بھاگا۔

توصاحبو یہ ایسی دلیل ہے کہ ٹوٹتی ہی نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ بلا دلیل اللہ واحد ہے۔ سنار کی کھٹ کھٹ لوہار کی ایک یہ سو کی ایک دلیل ہے مولانا یعقوب صاحب اسی باب میں فرماتے ہیں:

الوعظ ینفع لو بالعلم والحکم　　　والسیف ابلغ وعاظ علی القمم(۱)

اور یہ بھی فرماتے تھے دیکھو لوگ تو کہتے ہیں چار کتابیں نازل ہوئی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ ایک پانچویں کتاب بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۖ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (۲) کتب اربعہ کے بارے میں بھی انزلنا آیا ہے کہ سب کتابیں آسمان سے نازل ہوئی ہیں اور حدید کے واسطے بھی انزلنا آیا ہے یہ پانچویں کتاب ہے اور بعض وقت ظرافۃً فرماتے تھے کہ حدید سے مراد ہے نعلدار جوتا اور مولانا نے اس کا نام رکھا تھا روشن دماغ کے سر پر دو چار لگادینے سے دماغ درست ہوجاتا ہے۔ اس سے بھی ایک نور پیدا ہوتا ہے۔

توحضرت دلائل علمیہ اور مصالح عقلیہ بعض کے لیے مضر ہوتی ہیں ہر جگہ ہر کس وناکس سے ان کو بیان کرنا برا ہے کہیں لٹھ ہی کام دیتا ہے چنانچہ لٹھ سے اس فلسفی کا دماغ ٹھیک ہوگیا۔

دلائل عقلیہ کی بے بسی

ایک اور فلسفی کی حکایت ہے وہ بڑے عالم تھے جب مرنے لگے تو مرتے وقت شیطان ان سے مناظرہ کو کھڑا ہوگیا۔ مناظرہ توحید ہی میں تھا جس کے سو دلائل ان کے

(۱) ''وعظ نفع دیتا ہے اگر علم وحکمت سے معمور ہو اور تلوار سروں پر تمام واعظین سے بلیغ وعظ ہے'' (۲) سورۃ الحدید: ۲۵۔

پاس تھے شیطان توحید کے دلائل پر نقوض وارد(۱) کرنے لگا یہ جو دلیل قائم کرتے وہ اس کو رد کر دیتا جتنے دلائل ان کے پاس تھے سب ہی پیش کئے اس نے سب کو توڑ دیا اس کے بعد اس نے شبہ ڈالدیا کہ توحید جو اصل الاصول ہے جب اس کی یہ حالت ہے تو اور اصول کی کیا اصل ہے خود ہی سمجھ لو قریب تھا کہ ان کو اصول اسلام کی حقانیت میں شبہ یا تذبذب ہو جاتا کہ ایک بزرگ نے ان کی دستگیری فرمائی وہ بزرگ شیخ نجم الدین کبریٰؒ تھے جو اس وقت صدہا میل کے فاصلہ پر اپنے گھر میں وضو کر رہے تھے ان کو مکشوف ہوا کہ اس عالم فلسفی کے اوپر یہ مصیبت نازل ہے آپ نے اپنے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ایک بڑے عالم کا ایمان خراب ہوا جاتا ہے کسی نے عرض کیا کہ حضرت بچا لیجئے آپ نے وضو کا پانی زور سے اس طرف پھینکا اور فرمایا کہد و بلا دلیل خدا واحد ہے اللہ تعالیٰ نے یہ پانی اور آواز ان کے کان میں پہنچادی اور انہوں نے شیطان سے یہی کہا کہ میں بلا دلیل خدا کو واحد مانتا ہوں۔ شیطان یہ سن کر بھاگا اور اس کے دام تزویر(۲) سے رہائی ہوئی اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

دست پیر از غائبان کوتاہ نیست   دست او جز قبضہ اللہ نیست(۳)

وہ فلسفی عالم ان بزرگ کی خدمت میں آئے تھے۔ آپ نے ذکر کی تلقین فرمائی اور خلوت کا حکم دیا ذکر شغل شروع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ کوئی چیز اندر سے نکل رہی ہے۔

شیخ سے اس حال کو عرض کیا تو فرمایا کہ تمہارا فلسفہ دل سے نکل رہا ہے یہ ان کو گوارا نہ ہوا شیخ نے فرمایا کہ بھائی ذکر و شغل سے اللہ تعالیٰ تم کو اس سے بہتر علم عطا فرمادے گا مگر دل نے نہ مانا اور ذکر و شغل چھوڑ کر چلے آئے کہ نقد را بہ نسیہ گذاشتن(۴) پر کون عمل کرے فلسفہ تو اس وقت موجود ہے اور علم باطن اب تک حاصل نہیں ہوا نہ معلوم ہوگا بھی یا نہیں غرض شیخ کو چھوڑ کر چلے آئے تھے لیکن فقط ان کی خدمت میں جانے سے یہ فائدہ ہوا کہ مرتے وقت انہوں نے کیسی بڑی دستگیری فرمائی کہ عذاب ابدی سے بچالیا۔

(۱) توحید کے دلائل توڑنے لگا (۲) اس کے فریب سے جان چھوٹی (۳) ''پیر کی توجہ غائبوں سے کوتاہ نہیں ہے اس کا قبضہ بجز اللہ کے قبضہ کے نہیں ہے'' (۴) نقد کے بدلے ادھار کون لے۔

شیخ کا فائدہ

ایک اور شخص تھے حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک جملہ سے انکا کام بن گیا تھا ان کو قبض شدید تھا وہ غایت مسرت سے یہ کہتے تھے۔

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند وانددراں ظلمت شب آب حیاتم دادند
کیمائیست عجب بندگی پیر مغاں خاک او گشتم وچندیں درجاتم دادند(۱)

حضرت جب وہ غائبین کی دستگیری فرماتے ہیں تو حاضرین کو کیسے محروم کر دیں گے مولانا اسی کو فرماتے ہیں۔

غائباں را چوں نوالہ مید ہند حاضراں از غائباں لاشک بہند(۲)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو علم ہوتا ہے وقائع کا بلکہ جب خدا تعالیٰ کو رحم آتا ہے تو کسی کے ایک کلمہ سے دور تک کام بن جاتا ہے چند روز کسی اللہ والے کے پاس جا کر رہو تو معلوم ہوگا کہ برکت عملی اور ساتھ میں علم حقیقی سب ان ہی کے پاس ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

بینی اندر خود علوم انبیاء بے کتاب وبے معید واوستا(۳)

دیکھئے ان بزرگ نے پانی کا ایک چھینٹا دیا اور اس کے ساتھ ایک آواز بھی دی کہ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ خدا کو بے دلیل واحد مانتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ شیطان وہاں سے بھاگا تو دیکھئے کہ دلائل نے کچھ کام نہ دیا البتہ سادہ ایمان نے کام دیا اور اخیر میں فلاسفہ بھی اسی طرح آجاتے تھے۔

امام رازی کا فرمان

چنانچہ امام رازی بہت بڑے عالم اور فلسفی تھے مگر آخر میں ان کی تحقیق یہ تھی

(۱) ”کل رات صبح کے وقت غم وغصہ سے مجھ کو نجات دی رات کے اندھیرے میں مجھے آب حیات بخشی پیر کامل کی اطاعت عجیب کیمیا ہے اس کے قدموں میں رہا اس نے درجات پائے“ (۲) ”غائبوں کو جیسے نوالہ دیتے ہیں اور حاضر غائبوں سے بے شک بہتر ہیں“ (۳) ”اپنے اندر علوم انبیاء بغیر کتاب، بغیر مددگار اور بغیر استاد کے محسوس کروگے“۔

جس کو نظم میں فرماتے ہیں۔

نهاية اقدام العقول عقال وغاية سعی العالمين ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا سوئ ان جمعنا فيه قيل وقال

مگر یہ حقیقت اس وقت منکشف ہوئی جب شیخ کے پاس جانے کا موقع نہ رہا۔ حقیقت میں علم یہ ہے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کے علوم جو صحابہ بھی نہ تھے کیسے تھے پھر صحابہ کے علوم کیسے ہوں گے اور اس سے بڑھ کر انبیاء علیہم السلام کے علوم کیسے ہوں گے۔ (اشعار مذکورہ بالا کے پڑھنے کے بعد اتنا فرمانے پائے تھے کہ بعض سامعین نے درخواست کی کہ ان اشعار کا مطلب بیان فرمادیجئے پس فرمایا) امام رازی فرماتے ہیں کہ عقل نے بہت ترقی کی مگر ساری ترقی کی انتہا یہ تھی کہ عقل ایک عقال ثابت ہوئی یعنی مانع از حقیقت بڑے اہل علوم کے علم کا نتیجہ یہ ہوا کہ عقل کی رہبری سے راستہ نظر نہ آیا ساری عمر جو بحث کی وہ سب قیل وقال ہی تھی جس سے حقیقت واضح نہیں ہوئی یہ حاصل ہے ترجمہ کا (اس کے بعد فرمایا) میرا معمول یہ ہے کہ جس مضمون کو پہلے بیان کرتا ہوں اس کی تائید میں کوئی شعر عربی یا فارسی کا پڑھ دیتا ہوں اس کا ترجمہ نہیں کرتا ترجمہ کرنے سے لطف نہیں رہتا اور ترجمہ کی ضرورت بھی نہیں رہتی کیونکہ اس کا مطلب اور مقصود تو پہلے بیان ہو چکا ہوتا ہے۔ غرض امام رازی فرماتے ہیں کہ ساری عمر کی تحقیقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ سب فضول قیل وقال ہے۔ علم حقیقت میں وہ ہے جس کو مولانا نظامی گنجویؒ فرماتے ہیں۔

زبان تازہ کردن بہ اقرار تو نیگیختن علت ازکار تو(۱)

یعنی علم یہ ہے کہ جو ارشاد ادھر سے ہوا اس کا اقرار کرلینا۔ یوں نہ کہنا کہ یہ کیوں ہے؟

طالب علم اور سالک

مولانا یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے

ہر طالب علم کہ چون وچرا نکند وہر درویشے

کہ چون وچرا کند ہر دو را بہ چراگاہ باید فرستاد

(۱) ''تیرے اقرار سے زبان کو تر وتازہ کرنا ہے نہ کہ ترے کاموں میں علت نکالنا ہے''۔

یعنی طالب علموں کو احکام کے علل ونکات پوچھنے کی اجازت ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس پر بناء احکام رکھے یہ تو مصلحت اور حکمت ہے اس پر احکام کا مدار ہرگز نہیں ہاں فن دانی کی حیثیت سے اگر پوچھ لے تو مضائقہ نہیں کیونکہ طالب علم سمجھ سکتا ہے کہ کونسا موقع سوال کرنے کا ہے اور کونسا نہیں۔ وہ یہ تمیز کرسکتا ہے۔ چنانچہ طالب علم یہ سوال کبھی نہ کریگا کہ نماز پانچ وقت کی کیوں ہے ہاں یہ پوچھے گا کہ قعدہ اخیرہ فرض کیوں ہے؟ کیونکہ یہ بحث علمی ہے اجتہادی مسئلہ ہے۔ عوام کو اس کی بھی اجازت نہیں۔ عوام کے لیے تو بس یہ ہی ہے کہ جب معلوم ہوگیا کہ حکم شریعت کا ہے بلا چون وچرا عمل کریں۔ یہی مطلب ہے اس فقرہ کا کہ ہر درویشے کہ چون وچرا کند۔ درویش سے مراد فقط سالک ہی نہیں ہے بلکہ درویش سے مراد طالب عمل ہے۔ پھر وہ طالب عمل خواہ عامی ہو یا سالک۔ اگر طالب عمل مراد نہ لیا جاوے تو کلام حاصل نہ ہوگا بلکہ ایک قسم جو کہ نہ طالب علم ہے نہ سالک بلکہ عامی ہے خارج ہوجائے گی پس ثابت ہوگیا کہ درویش سے طالب عمل مراد ہے خواہ عامی ہو خواہ عالم ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ درویش سے مراد سالک ہی ہو مگر ہر مسلمان درویش ہے اور سالک بھی۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ ءَامَنُوا اللہ دوست ہے مومنوں کا اور دوستی دونوں طرف سے ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ مومنین کا دوست ہے مومنین بھی خدا کے دوست ہیں اور یہ ولایت عامہ کہلاتی ہے اس کے اعتبار سے ہر مسلمان ولی ہے جب سارے مسلمان اولیاء ہیں تو درویش بھی ہیں جس کا حاصل ترجمہ طالب عمل ہوا پس طالب عمل کو چون وچرا کی اجازت نہیں وہ فقط یہ پوچھ سکتے ہیں کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ بس یہ ہے حقیقت اس جملہ کی۔ غرض مطلب یہ ہوا کہ اہل علم کو مصالح وحکم بتلانے کی اجازت ہے مگر غیر کو نہیں اور انہیں کو پوچھنے کی بھی اجازت ہے پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہر طالب علم کو بھی بتلا دینا ٹھیک نہیں طلبہ میں سے جو محقق ہوں صرف ان کو بتلائے باقی جو اس کے اہل نہ ہوں اور پوری سمجھ نہ رکھتے ہوں انہیں نہ بتلائے۔

مہمل طالب علم

چنانچہ جن مولانا کا یہ مقولہ ہے کہ ہر طالب علم کہ چون و چرا نکند اورا در چراگاہ باید فرستاد۔ میرے ہی سامنے کا ان کا یہ معاملہ بھی ہے کہ ایک طالب علم نے مولانا سے پوچھا تھا کہ ایام حیض میں نماز وروزہ دونوں کی ممانعت ہے پھر پاک ہونے کے بعد نماز کی تو قضا نہیں اور روزہ کی قضا لازم ہے اس میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا حکمت یہ ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کروگے تو اتنی جوتیاں لگیں گی کہ سر گنجا ہوجائے گا۔ سر کے بال اڑ جاویں گے اس جواب کی وجہ یہ تھی کہ سائل مہمل تھا اس کو بتلانا مضر تھا اور ان کا مہمل ہونا ان کے ایک شعر ہی سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے بنایا تھا وہ شعر یہ ہے۔

خواہ مخواہ کی بات بھی مخفی بنے جیسے حامل پیٹ سے سقطی جنے

یہ آپ کا شعر ہے الفاظ بھی بے جوڑ اور مراد بھی کسی کی سمجھ میں نہ آئے کہ کیا مراد ہے؟ آپ نے پوچھنے پر اس کا مطلب یہ بیان فرمایا تھا کہ عاشق و معشوق جمع تھے رقیب کو ناگوار ہوا اس نے جدا کرنے کی یہ ترکیب کی معشوق سے کہا ذرا یہاں آنا کچھ مخفی بات کہوں گا حالانکہ خواہ مخواہ ہی بلایا کوئی بات نہ تھی مگر اس حیلہ سے وہ عاشق سے علیحدہ ہوگیا اس پر سب سامعین ہنس پڑے کہ اتنا لمبا مطلب مگر شعر کی اب بھی اس پر دلالت نہیں نہ دوسرے مصرع کا پہلے سے کچھ جوڑ معلوم ہوا۔ بس اس ہنسنے پر آپ خفا ہوگئے کہنے لگے جاؤ ہم تم سے نہیں بولتے اور چلدیئے۔ میں نے کہا دوسرے مصرع کو میں حل کردوں گا مطلب یہ ہے کہ جیسے حامل کے پیٹ سے ساقط حمل نکلے تو وہ بے چاری خواہ مخواہ بدنام بھی ہوگئی اور بچہ بھی نہیں جنا۔

ان ہی حضرت کے مہمل ہونے کا ایک واقعہ سنئے ایک روز جلالین کی عبارت پڑھی آیت یہ تھی حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ترجمہ تو اس کا یہ ہے ہم نے سوار کیا تم کو کشتی میں مگر آپ نے یوں ترجمہ کیا ہم نے حاملہ بنایا تم کو لونڈی میں بندہ خدا نے حَمَلْنَاكُمْ کو ترجمہ میں محمول بھی نہ کیا حالانکہ ظاہر ہے کہ كُمْ محمول ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسا مہمل شخص نماز اور روزے کا فرق کیا سمجھے گا؟ پس چونکہ یہ سائل مہمل تھا اس لیے اس کو جواب دیا اور دوسری مجلس میں سمجھدار لوگوں کے سامنے فرق بھی بیان کردیا۔

عوام کے لیے جواب

بہر حال محقق ہر ایک کو ایک جواب نہیں دیتا۔ اب ہمارے علماء اس کی رعایت نہیں کرتے سب کو حکمت اور اسرار بتلانے لگتے ہیں حالانکہ مخاطب سمجھتا بھی نہیں کہ انہوں نے کیا کہا میں ایک مرتبہ سہارنپور گیا تھا وہاں ایک شخص بہشتی زیور بغل میں دبائے ہوئے آئے اور ایک مسئلہ نکال کر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ مسئلہ دیکھ لیجئے میں نے کہا کہ میری تو ساری کتاب دیکھی ہوئی ہے مجھے آپ کیا دکھلاتے ہیں۔ کہنے لگے یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا میں نے کہا کیا خود اس مسئلہ کا مفہوم سمجھ میں نہیں آیا یا اس کی دلیل سمجھ میں نہیں آئی۔ کہنے لگے مطلب تو سمجھ لیا دلیل سمجھ میں نہیں آئی میں نے کہا اس مسئلہ کے سوا باقی تمام فقہی مسائل کی دلیلیں آپ نے سمجھ لی ہیں یا اور بھی کچھ ایسے مسائل ہیں جن کی دلیل آپ کو معلوم نہیں ہوئی اگر سب کی دلیلیں آپ کو معلوم ہو چکی ہیں تو مجھے سوالات کی اجازت دیجئے کہ میں کسی مسئلہ کی دلیل آپ سے دریافت کروں؟ کہنے لگے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کی دلیل مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا پھر اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لیجئے اسی کی دلیل جاننے کی کیا ضرورت ہے؟ بس اب ان کی منطق ختم ہوگئی اور کتاب بغل میں دبا کر رخصت ہوگئے بعد میں معلوم ہوا کہ اس شخص نے کئی روز سے حضرات علماء سہارنپور کو تنگ کر رکھا تھا اور وہ حضرات خوش اخلاقی سے اس کو دلیل سمجھا رہے تھے۔ لیکن میں نے چار منٹ میں اس کو لاجواب کر کے اٹھا دیا۔

حکیم الامت کا مُسکِت جواب

ایک سے نجات ہوئی تو ایک جنٹلمین صاحب آئے یہ ذرا مہذب تھے۔ کہنے لگے جناب سے کچھ عرض کرنا ہے۔ میں نے کہا فرمایئے۔ کہنے لگے بعض جہلاء علماء پر اعتراض کرتے ہیں اس سے رنج ہوتا ہے دل دکھتا ہے کہ ہمارے سامنے ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہا جاوے اس رسالہ میں یعنی بہشتی زیور میں ایک مسئلہ ہے جس کی وجہ سے جہلاء اعتراض کرتے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ بہشتی زیور کے اس مسئلہ کے متعلق مخالفین کا جو اعتراض ہے اس کے جواب کے لیے ہم ایک مجلس منعقد کریں اور اس میں

حق کو واضح کر کے سب کو سمجھا دیا جائے تا کہ علماء کو برا نہ کہیں۔ میں نے کہا جناب کی خیر خواہی میں شک نہیں باقی قاعدہ شرعیہ وعقلیہ یہ ہے الاہم فالاہم یعنی اہم کو غیر اہم سے مقدم رکھنا چاہیے سوایک جماعت تو وہ ہے جو علماء کی شان میں گستاخی کرتی ہے اس سے بدتر وہ جماعت ہے جو ائمہ مجتہدین پر طعن وتشنیع کرتی ہے اس سے بدتر وہ جو صحابہ کو سب وشتم کرتی ہے اس سے بدتر وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں اس سے بدتر وہ جو خدا تعالیٰ ہی کی نفی کرتے ہیں یعنی دہریہ، پس کام ترتیب سے شروع کیجئے اول ان لوگوں کو سمجھا دیجئے جو خدا تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں پھر ان کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں پھر جو صحابہ کو برا کہتے ہیں پھر جو آئمہ دین کو برا کہتے ہیں پہلے آپ ان سب کا انتظام کر لیجئے پھر میں اخیر میں ایسی جماعت کا انتظام کردوں گا جو بہشتی زیور پر طعن کرتے ہیں کہنے لگے واقعی بہشتی زیور کے مسئلہ کی تقدیم کی ضرورت تو نہیں لیکن اس میں ضرر بھی تو نہیں کہ ایک غیر اہم کو مقدم کر دیا جاوے میں نے کہا یہ مشورہ ہے یا حکم۔ کہا مشورہ ہے میں نے کہا بس آپ مشورہ دے چکے آپ سبکدوش ہوگئے آگے میرا کام ہے عمل کروں یا نہ کروں آپ تشریف لے جایئے۔ غرض میں مذاق عوام کا اتباع نہیں کرتا۔ اندھے کے آگے روئیے، اپنی آنکھیں کھوئیے۔

جواب لا جواب

ایک سب انسپکٹر تھے قصبہ رامپور میں میرے پاس ان کا خط آیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے؟ میں نے جواب میں لکھا کافرہ سے زنا کرنا کیوں حرام ہے؟ انہوں نے لکھا کہ علماء کو اتنا خشک نہ ہونا چاہیے میں نے دل میں کہا جہلاء کو اتنا تر نہ ہونا چاہیے کہ ڈوب ہی جائیں ایک دفعہ رامپور میں وہی صاحب ملے اور کہا میں وہی ہوں جس سے اس قسم کی مکاتبت ہوئی تھی پھر انہوں نے پوچھا آپ نے ایسا جواب کیوں دیا میں نے کہا آپ سے جن لوگوں کا واسطہ پڑتا ہے وہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جن سے آپ کی خصوصیت ہے اور دوسرے وہ جن سے اجنبیت ہے میں نے کہا کیا سب سے آپ کا ایک ہی قسم کا برتاؤ ہوتا ہے کہا سب سے ایک قسم کا برتاؤ نہیں ہوتا ہے میں نے کہا

ہمارے یہاں بھی ایسا ہی ہے جن سے خصوصیت نہیں ان کو ضابطہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کی فہم کا اندازہ نہیں ہوتا اور جن سے خصوصیت ہے ان کو دوسرا جواب دیا جاتا ہے پہلا جواب ناشناسائی کی حالت کا تھا مگر اب آپ سے شناسائی ہوگئی ہے تو اب ایسا جواب نہ ملے گا مگر میں نے سوچا کہ ان کو بھی بالکل آزاد کرنا ٹھیک نہیں کہ جو جی میں آوے پوچھ بیٹھیں اس لیے ایک پخ لگائی (۱) میں نے کہا مگر اس ملاقات سے جیسا مجھ پر اثر ہوا ہے کہ ایسا جواب نہ آویگا آپ پر بھی یہ اثر ہوگا کہ آپ بھی ایسے مہمل سوال نہ کریں گے ان پر اس کا بڑا اثر ہوا پھر کبھی انہوں نے ایسا سوال نہیں کیا غرض عوام کے لیے یا تو پانچویں کتاب ہو یا یہ کہ ان کو جواب مت دو بلکہ دھمکا دو یا خشک جواب دے دو جیسا میں نے دیا۔ ان لوگوں سے اسی طرح ملنا چاہیے۔ یہ لوگ پہلے ہی سے اعتراض لے کر علماء کے پاس جاتے ہیں۔

اسرار و حکم بیان نہ کرنے کی حکمت

اب علماء دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو ان کو جواب دیتے اور دلیل و حکم سمجھائے جاتے ہیں یہ تو خلیق مشہور ہیں اور ایک وہ جو فضول قیل وقال نہیں کرتے وہ بد دماغ کہلاتے ہیں گو وہ واقع میں باد ماغ ہی ہوں۔ صاحبو علماء کس کو سمجھائیں مخاطب میں قابلیت بھی تو ہو مگر اب تو یہ مرض ہوگیا کہ عوام اپنے کو ہر بات کے سمجھنے کے لائق سمجھتے ہیں اور اگر کسی بات کو نہ سمجھے تو اعتراض کر دیا کہ علماء ہم کو سمجھا نہیں سکتے۔

میں یہ تو نہیں کہتا کہ ہم کو سب اسرار معلوم ہیں بلکہ ہم صاف کہتے ہیں کہ بعض اسرار تو فقط اللہ ہی کو معلوم ہیں اور کسی کو معلوم نہیں بعض رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہیں اوروں کو معلوم نہیں (۲)۔ بعض اولیاء کو معلوم ہیں غیر اولیاء کو معلوم نہیں اور بعض علماء کو معلوم ہیں جہلاء کو معلوم ہیں یہ نہیں کہ مولویوں کو سب ہی چیزیں معلوم ہیں مگر عوام کی طرح اتنے ناواقف بھی نہیں۔ ہزاروں باتیں ان کو معلوم ہیں مگر عوام کو نہیں بتلاتے ایک دولت مند ہے کروڑوں روپیہ اس کے پاس ہے مگر کیا ضرورت ہے کہ جس کے پاس روپیہ ہو وہ تمہیں اس کا پتہ بھی دیدے۔ ایک شخص کے پاس محل ہے، بالاخانہ ہے تم نے مانگا تم کو

(۱) ایک قید لگادی (۲) یعنی دوسروں کو معلوم نہیں۔

نہ دیا تو کیا یہ کہا جاوے گا کہ اس کے پاس محل ہی نہیں ہے جھونپڑا ہے اس کے کہنے سے کیا وہ تم کو محل دے دے گا اچھا جھونپڑا ہی سہی۔ اس کو تو راحت میسر ہے اب خواہ کوئی نفی کردے یا جھونپڑا سمجھے اس کا کیا نقصان ہے۔ اسی طرح اگر علماء کو عوام عالم نہ سمجھیں ان کا کیا نقصان ہے وہ تو راحت میں ہیں اور تمہارے اس جہل ونفی پر یوں کہتے ہیں۔

بامدعی مگوئید اسرار عشق ومستی بگذارتا بیمرد در رنج خود پرستی(۱)

ان کے پاس اسرار بہت ہیں مگر وہ ظاہر نہیں کرتے اسی کو عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں:

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست (۲)

یعنی کون سی ضروری خبر ہے جو ان کو معلوم نہیں مگر بتلانے میں مصلحت نہیں اور وہ کیوں نہیں اس لیے کہ اس کا مخاطب کے دین پر اثر پڑتا ہے مصالح وحکم ظاہر کرنے سے ان کا دین سست ہوتا ہے دین کی قوت اسی میں ہے کہ ان کو کبھی مصالح نہ بتلاویں البتہ مصالح کا بھی ایک درجہ ہے مگر مصلحت مقصود نہیں۔ مقصود صرف ایک چیز ہے اس کے سامنے سب مصالح قابل پیسنے کے ہیں (۳) مصالح پیسنے ہی سے سالن میں مزہ آتا ہے وہ مقصود کون سی چیز ہے وہ چیز ہے جس کو شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند وخم طرہ یارے گیرند(۴)

مذہب عشق

یعنی بڑی مصلحت یہی ہے کہ سب کو آگ لگادو ایک ذات کے راضی کرنے کی فکر کرو۔ عاشق کا کام ہے کہ معشوق اس سے راضی ہوجائے معشوق اگر عاشق سے کہے اس نکڑ سے اس نکڑ تک ننگا پھر تو کیا عاشق یہ کہے گا کہ ہم نے تو مکان پر کبھی کرتا تک نہیں اتارا کیوں ہماری ہیٹی کراتے (۵) ہو یعنی شرمندہ کرتے ہو بے عزت کرتے ہو۔ بخدا اگر عاشق ہے تو پوچھے گا بھی نہیں بے دھڑک ننگا ہوجائیگا اگر سچا عاشق ہے تو زبان حال

(۱) ''مدعی کے سامنے عشق ومستی کے اسرار مت بیان کرو اس کو خود پرستی اور رنج میں مرنے دو'' (۲) ''مصلحت نہیں کہ راز ظاہر ہو ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی خبر ایسی نہیں کہ ان کو نہ ہو'' (۳) مصلحتوں کو پیس کر ختم کردو (۴) ''میں بڑی مصلحت یہ دیکھتا ہوں کہ دوست سب کو چھوڑ کر محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوجائیں'' (۵) بے عزتی۔

سے یوں کہے گا۔

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من(۱)

اگر کوئی اس سے کہے کہ کام سمجھ سوچ کر کرو محض محبوب کے کہنے پر نہ چلو لوگوں سے پوچھ کر مشورہ کر کے کام کرنا چاہیے تو کہے گا بھائی کس سے پوچھوں یہ تو مذہب عشق کے خلاف ہے اس کا مذہب تو یہ ہے۔

دل آرامے کہ داری دل درو بند دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند(۲)

عاشق کا وہی مذہب ہے جو محبوب کہہ دے دوسرا عاشق کہتا ہے۔

ہمہ شہر پر زخوباں منم وخیال ما ہے چہ کنم کہ چشم بد بیں نکند بکس نگاہے(۳)

سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے مگر مجھے تو ایک ذات کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا۔ ہم نے اپنے کو ایک ذات کے سپرد کر دیا ہم کو مشورہ کی ضرورت نہیں ہے۔ جب عشق مجاز کا یہ حال ہے تو عشق حقیقی کا کیا حال ہوگا؟ خود سمجھ لو۔ ممکن نہیں کہ خدا کا عشق ہو اور یہ حالت نہ ہو۔

اگر کہو خدا پر ہم عاشق ہی نہیں جو عاشق ہو اس کی حالت ایسی ہوگی ہم تو عاشق ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں تم غلط کہتے ہو تم اپنے کو مومن تو کہتے ہو تم نے لا الہ الا اللہ کہا ہے اور مومن کے لیے عاشق ہونا لازم ہے رجسٹری شدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ (۴) یہ شدت حب عشق نہیں تو کیا ہے؟ آمنا (ہم ایمان لائے) کے لیے عشقنا (ہم نے عشق کیا) لازم ہے۔

حقیقت قبول

اس کی ایسی مثال ہوئی جیسے کسی نے نکاح کے وقت کہا میں نے فلاں عورت کو قبول کیا۔ خبر بھی ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اور کیا ہوگا یہ دولہا قبلت کہنے کے بعد ایک

(۱) ''محبوب کی جانب سے جو امر پیش آئے گو وہ طبیعت کو ناخوش ہی کیوں نہ ہو مگر وہ میری جان پر خوش اور پسندیدہ ہے جو میری جان کو رنج دینے والا ہے اپنے دل کو اس پر قربان کرتا ہوں'' (۲) ''محبوب سے تم نے دل رکھا ہے تو پھر تمام دنیا سے آنکھیں بند کر لو'' (۳) ''سارا شہر حسینوں سے بھرا ہوا ہے اور میں ایک چاند کے خیال میں مست ہوں کیا کروں میں کاش کہ بدخو کی نظر کسی پر بھی نہ پڑتی'' (۴) اور ایمان والے سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں'' بقرۃ: ۱۶۵۔

ماہ تک تو نوشاہ ہے یعنی نیا بادشاہ ہے کہ کسی قسم کا غم نہیں دعوتیں ہورہی ہیں خوشیاں منارہے ہیں اس کے بعد کیا ہوگا۔ حضرت علیؓ سے کسی نے شادی کے متعلق دریافت کیا تھا فرمایا سرور شھر ایک ماہ تک تو خوشی ہی خوشی ہے۔ دعوت ہوتی ہے۔ چاروں طرف سے سلام کلام ہوتے ہیں۔ سائل نے کہا ثم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا لزوم مھرٍ یعنی اس کے بعد مہر لازم ہوگا وہ بھی عرب میں ہندوستان میں نہیں ہندوستان میں تو اس کو دین ہی نہیں سمجھتے سائل نے کہا ثم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا غموم دھرٍ پھر ساری عمر کا غم ہے آج آٹا نہیں ہے آج دال نہیں پوچھا ثم ماذا پھر کیا ہوگا فرمایا کسور ظھرٍ یعنی پھر ہڈیاں ٹوٹنے لگیں گی کمر جھک جائیگی غرض ایک مہینہ تک تو بادشاہ تھے اب اباجان نے گھر سے الگ کردیا۔ اب بڑی مشکل اس کی خبر نہ تھی نواب صاحب کو اب بی بی کہتی ہے اناج لاؤ لکڑی لاؤ۔ گھی لاؤ اب میاں کہتے ہیں کہ تم نے یہ کیا بخ لگائی ہے۔ میں نے تجھے قبول کیا تھا۔ اناج لکڑی گھی کو تو نہیں قبول کیا تھا؟ بیوی نے کہا نادان مجھے قبول کرنا ان سب کو سر دھرنا ہے۔ لگی دونوں میں لڑائی ہونے۔ تو اب محلہ کے لوگ جمع ہوگئے اور اس وقت آپ بھی جو اٰمنا کے لیے عشقنا کو لازم نہیں مانتے تھے وہاں قاضی بن کر پہنچے۔ سو آپ بھی اور سب لوگ یہی کہیں گے کہ تو نے بیوی کو قبول کیا تھا وہ کہتا ہے ہاں مگر اناج لکڑی کو قبول نہ کیا تھا اس پر آپ کہیں گے کہ بھائی یہی تو غضب کی پوڑیہ ستم کی پوڑیہ تھی جب تو نے ایجاب قبول کیا تو اناج بھی دینا ہوگا لکڑی اور گھی بھی۔ غرض پورا نان نفقہ دینا ہوگا فرمایئے یہ فیصلہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر صحیح ہے اور ضرور صحیح ہے تو یہی فیصلہ آپ پر بھی جاری ہوگا کہ جب آپ نے اتنا کہا تو انقیاد و اطاعت عشق ومحبت سب کو قبول کیا اب جاتے کہاں ہو؟ تم تو عاشق ہوگئے اور اس کے مذہب میں لم اور کیف (۱) نہیں ہوتا ہے اگر عشق سے گھبراتے ہو تو امنا سوچ کے کہا ہوتا اس وقت خیال کرنا تھا۔ خوب کہا ہے۔ عارف شیرازیؒ نے۔

من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردہ عصمت بروں آرد زلیخارا

(۱) عاشق کے یہاں کیوں اور کیسے کا سوال نہیں ہوتا۔

محقق نے تو اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ اٰمنا کہا اور عشق کا طوق گردن میں ڈال لیا۔

اور یہ بھی ظاہر میں آج ڈالا ہے ورنہ وہ تو روز میثاق ہی سے پڑا ہوا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّا عَرَضْنَا ٱلْأَمَانَةَ عَلَى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا ٱلْإِنسَٰنُ ۖ إِنَّهُۥ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (۱) یہی تو امانت ہے یعنی انقیاد و اطاعت، جس کی ایک تعبیر عشق ہے گو قرآن میں لفظ عشق نہیں ہے مگر جو الفاظ ہیں حقیقت تو ان کی عشق ہی ہے۔

جاہل صوفیاء

اس پر استطراداً (۲) ایک بات یاد آ گئی وہ یہ کہ دنیا میں ایسے جاہل صوفی بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ قرآن میں لفظ عشق موجود ہے بھائی قرآن میں کہاں ہے اول سے آخر تک دیکھ لو الفاظ قرآن تو محدود ہیں معانی البتہ غیر محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دریا کو کوزہ میں بھر دیا ہے۔ جاہل صوفی جواب میں کہتا ہے کہ حم عسق یہ اصل میں عشق ہے کسی نے کہا کہ اس میں تو سین ہے اور عشق میں شین ہے تو آپ کہتے ہیں کہ اصل میں تو شین ہی تھا مگر چونکہ حضور پڑھے ہوئے تھے نہیں (نعوذ باللہ) اس لیے آپ سے شین ادا نہ ہو سکتا تھا اس لیے آپ کی رعایت سے سین نازل کیا گیا اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی وہی اعتراض ہو گیا جو بلال رضی اللہ عنہ پر تھا کہ اسہد کہتے تھے مجھے اس روایت پر یقین نہیں ہے نہ معلوم کہاں کی روایت ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ حبش کے رہنے والے تھے ان سے شین نہ نکلنا کچھ عجب نہیں مگر حضور تو عرب العرباء افصح البلغاء تھے آپ سے شین کا ادا نہ ہونا بہت تعجب کی بات ہے اگر ایسا ہوتا اور ایسی رعایت ہوتی تو معوذتین میں بھی شین نہ ہوتا من شر کی جگہ من سر ہوتا من شر ما خلق و من شر غاسق و من شر النفثت و من شر حاسد (اندھیری رات کے شر سے جب وہ آ جائے اور گرہوں میں پڑھ کر پھونکنے والیوں کے شر سے اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ

(۱) ''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی۔ پس انہوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا تھا اور اس سے ڈر گئے۔ انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا بیشک وہ ظالم ہے اور جاہل ہے'' سورہ احزاب: ۷۲ (۲) ضمناً۔

حسد کرے) نہ ہوتا اور سارے قرآن میں بھی کہیں شین نہ ہوتا استغفر اللہ استغفر اللہ قرآن کا ناس کیا ہے۔ ان جاہلوں نے دیکھئے کیا نکتہ نکالا ہے۔

جاہل صوفیوں کے نکات

اور یہ جاہل صوفی اس سے بھی بڑھ کر نکتے نکالتے ہیں۔ ہمارے یہاں ایک جاہل صوفی وَٱلضُّحَىٰ وَٱلَّيۡلِ إِذَا سَجَىٰ (اور قسم ہے رات کی جب وہ قرار پکڑے) کے معنی بیان کرتا تھا اے نفس تیری بھی سجا (سزا) کوئی پوچھے یہاں نفس کہاں سے آ گیا؟ شاید اس کا ماخذ(۱) یہ ہو کہ لیل بھی کالی ہوتی ہے اور نفس بھی کالا ہے۔ اس مناسبت سے لیل کے معنی نفس کے لیے اور اذا میں ہمزہ زائد آ گیا ہوگا اور ذا کے معنی ہیں۔ یہی۔ کیونکہ اسم اشارہ ہے اور سجا معرب سزا کا بس تفسیر مکمل ہوگئی۔

ایسے ہی ایک اور قصہ ہے ہم نے اپنے چھوٹے ماموں صاحب سے سنا تھا کہ ایک بانوا فقیر نے ماموں صاحب سے پوچھا بتلا رزق بڑا ہے یا محمد؟ ماموں صاحب نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ سب سے زیادہ ہے جن کے خاطر دونوں عالم پیدا ہوئے وہ اشرف المخلوقات ہی اور رزق مخلوق ہے کہا جا بے پیرا معلوم ہوتا ہے پھر ڈنڈا گھما کر کہا اشہد ان محمداً رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) دیکھ ان پہلے آیا اور محمد پیچھے۔ ان کہتے ہیں اناج کو یہ تحقیقات ہیں آج کل کے تصوف کی خدا بچاوے اس جہل سے۔

ایسے ہی نے تو کہا تھا کہ قرآن میں یہ آیا ہے کہ جو کچھ ہے بیوی کا ہے ماں کا کچھ حق نہیں اس لیے وہ اپنی ماں کو کچھ نہیں دیتا تھا بی بی کی خدمت کیا کرتا تھا جب پوچھا جاتا کہ ماں کو کیوں نہیں دیتے ہو تو وہ جواب دیتا ہے کہ قرآن میں ہے اطعمھم من جوع (جس نے ان کو بھوک میں کھانا دیا) یعنی کھانا دو جوئے کو اور ماں کا کہیں ذکر نہیں اور جوئے کہتے ہیں ہندی میں بیوی کو کم بخت نے جوع کو جوئے بنایا۔ عربی میں ہندی ٹھونسی، لوگ اس کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے آپ نے

(۱) دلیل۔

یہ استدلال سن کر بطور الزامی جواب میں فرمایا کہ تو نے سورۂ تبت بھی پڑھی ہے؟ ہاں فرمایا پڑھ جب اس نے کہا ما اغنی عنہ مالہ وما کسب (نہ اس کے مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی) فرمایا دیکھ ماکسب سے کیا معلوم ہوا؟ یعنی ماں کا تو سب ہے اور جوئے کا فقط کھانا ہی کھانا ہے کہا ہاں ٹھیک ہے بس ایسوں کا علاج یوں ہی ہوتا ہے۔ یہ جواب الزامی تھا۔ اسی کے اصول پر۔ اللہ بچاوے جہل سے اس نے لا یلاف سے استدلال کیا تو شاہ صاحب نے تبت یدا سے جواب دیا غرض قرآن میں عشق کا لفظ نہیں ہے ہاں ایک ضعیف حدیث میں ہے من عشق فکتم فمات فھو شھید(۱)

یہ حدیث مقاصد حسنہ میں ہے مگر اس کی صحت میں کلام ہے اگر اس حدیث کو صحیح بھی مان لیا جاوے تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ عشق کا لفظ حدیث میں ہے :قلت قدورد لفظ العشق فی حدیث اخر اخرجہ الحاکم فی المستدرک فی مناقب خدیجہ رضی اللہ عنہا من طریق سفیان بن حسین عن الزھری مرسلاً قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الذی اطعمنی الخمیر والبسنی الحریر وزوجنی خدیجۃ وکنت لھا عاشق (۲)

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (حقیقت ایمان)

(۱) اتحاف السادۃ المتقین: ۷/ ۴۳۹ (۲) المستدرک للحاکم: ۳/ ۱۸۲، اھ ج ۳ ص ۱۸۲ وسفیان ضعیف فی الزہری خاصۃ وہو مع ذالک مرسل ۱۲

❁❁❁
❁

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور تجوید وقراءات کی ایک معروف دینی تعلیمی درس گاہ ہے، جہاں طلباء کو حفظ قرآن کریم، تجوید وقراءات عشرہ کے ساتھ وفاق المدارس سے منظور شدہ درسِ نظامی اور محکمہ تعلیم پنجاب سے منظور شدہ نصاب انٹرمیڈیٹ تک مکمل پڑھایا جاتا ہے۔اِس دارالعلوم میں زیر تعلیم دینی طلباء کے لیے گریجوایشن، بی ایڈ، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی تعلیم حاصل کرنے میں بھی تعاون کیا جاتا ہے، ریسرچ اسکالرز کے لیے ادارہ اشرف التحقیق اور ایک عظیم لائبریری موجود ہے، سائنس کے طلبہ کے لئے سائنس لیب اور کمپیوٹر لیب کی سہولت موجود ہے۔مدرسہ کا الحاق لاہور بورڈ اور وفاق المدارس العربیہ ملتان کے ساتھ ہے۔اس جامعہ کا تدریسی وانتظامی عملہ 112 افراد پر مشتمل ہے جس میں اساتذہ کی ایک بڑی تعداد ایم فل اور پی ایچ ڈی کی حامل ہے۔جامعہ میں اس وقت تقریباً 1374 طلباء زیر تعلیم ہیں جن میں تقریباً 738 طلبہ کے قیام وطعام، کتب اور علاج معالجہ ادارے کی طرف سے مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ان تمام امور کی سرانجام دہی کے لیے خطیر رقم کی ضرورت ہے۔جامعہ کا سالانہ بجٹ علاوہ تعمیرات سات کروڑ چھ لاکھ ستتر ہزار دو سو سولہ =/70677216 روپے ہے، جو اللہ تعالی کے فضل وکرم اور آپ کے تعاون سے پورا ہو رہا ہے۔

موجودہ دور میں تعلیمی ادارے اور بالخصوص دینی مدارس کن مشکلات سے دوچار ہیں یہ بات کسی سے مخفی نہیں۔ان نامساعد حالات کے باوجود یہ ادارے آپ حضرات کے تعاون سے بحمد اللہ دینی، تعلیمی، تربیتی اور اصلاحی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔تعلیمی سرگرمیوں میں مشغول غریب طلباء زکوٰۃ وصدقات کا بہترین مصرف ہیں، کیونکہ انسانی معاشرے کا مستقبل تعلیم سے ہی وابستہ ہے۔لہذا جناب سے خصوصی دعاؤں اور تعاون کی درخواست ہے اور گذارش ہے کہ اپنے صدقات وزکوٰۃ، عطیات دیتے وقت جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کو یاد رکھیں۔دعاء ہے کہ اللہ تعالی ترویجِ دین کے سلسلے میں آپ کے اس تعاون کا اجر عظیم عطاء فرمائے۔آمین!

مالی تعاون بذریعہ بنک آن لائن اکاؤنٹ نمبر 6010049533100010 دی بینک آف پنجاب کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن برانچ، لاہور کیا جاسکتا ہے۔